الحق
ماہنامہ
تبصرہ بر
تحریکِ رُمال
ص ۱۹
تقریر حضرت اقدس ۲۱
۱۲
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ایم این اے مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

تعارف

ماہنامہ الحق کتاب وسنت کا ترجمان اور دارالعلوم حقانیہ کا علمی آرگن ہے جسکو
حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی سرپرستی کا فخر اور سعادت حاصل ہے۔
الحق کو ملت کے ہر طبقہ کے عوام وخواص کا تعاون حاصل ہے۔
الحق علماء تجار صنعت کار سیاستدان اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں یکساں مقبول ہے
الحق کے مضامین دینی واصلاحی نقطۂ نظر کے حامل ہوتے ہیں۔
الحق وقتی جریدہ نہیں اسکی رہنمائی اور افادیت حال ومستقبل میں ہمیشہ محسوس ہوگی۔
الحق سفید کاغذ اور معیاری کتابت وطباعت اور دو رنگ آرٹ پیپر کے حسین
ٹائیٹل کیساتھ انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے۔
الحق آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ اسکی توسیع اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجئے
آپکا معمولی ایثار الحق کی ظاہری ومعنوی خوبیوں کیساتھ دین کی اشاعت میں اضافہ
کا باعث ہوگا۔
الحق میں اشتہار دینا ہم خرما وہم ثواب کا مصداق ہوگا۔ نیز اس سے
آپکی تجارت فروغ پائے گی اور ہم اس قابل ہوسکیں گے کہ اسکو بہتر انداز میں زیادہ
سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچا سکیں۔

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم : ۴ | قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار | فون نمبر رہائش : ۲

جلد نمبر : ۱۰ | ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک | جولائی ۱۹۷۵ء

شمارہ نمبر : ۸ | جمادی الثانی ـــ رجب ۱۳۹۵ھ

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک ۔ پاکستان میں سالانہ بارہ ۱۲ روپے ۔ بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

فی پرچہ : ایک روپیہ ۲۵ پیسے

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

ولکم فی القصاص حیوٰۃ

خادم حرمین شاہ فیصل کا قاتل اپنے عبرتناک انجام کو پہنچا قصر الحکم کے سامنے نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں قاتل کا سر قلم کر دیا گیا۔ اور اس واقعہ نے ایک بار پھر اسلام کی اس تاریخی حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ اسلامی حکومت کی اساس عدل و انصاف ہے اور قیام عدل کی راہ میں کوئی گروہی تعصب، رشتہ اور قرابت کی بندشیں، حکومت اور سلطنت کی رعائتیں حائل نہیں ہو سکتیں یہی خداوند حکیم و جبار کے قوانین و احکام کا وہ مساواتی پہلو ہے جو اس دور میں دوسرے ادیان و ملل میں کہیں نہیں مل سکتا۔ اور جو معاشرہ کی اصلاح اور زندگی کیلئے بنیادی ستون کا کام دیتا ہے۔ ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب۔ سعودی عرب کا حکمران خاندان اگر چاہتا تو قاتل کیلئے ہزاروں گنجائشیں نکل سکتی تھیں۔ وہ مرحوم شاہ کا بھتیجا اور ان کے ایک با اثر بھائی کا لختِ جگر تھا۔ خاندانی رشتے رکاوٹ بن سکتے تھے، قیام عدل سے ان رشتوں کو ٹھیس پہنچ سکتی تھی۔ مگر بدبخت قاتل کے فاسد اور باطل نظریات، کفر و الحاد اور اس کے نہایت سفاکانہ فعل کی وجہ سے سارے خاندان نے اسے ــــ انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح ــــ کا مصداق ٹھہرایا اور کسی رد رعایت کے بغیر اُسے اللہ کے قانون عدل و انصاف کے سپرد کر دیا اور سب بخوشی اللہ کے قانونِ حدود و تعزیرات کے سامنے سرنگوں ہوئے۔ یہ مقام صبر و رضا اور یہ قوتِ فیصلہ اس سلطنت اور اس خاندان کو اس نظام حیات اور اس دستور العمل نے دیا جس سے بڑھ کر جامع اور مکمل نظام کا تصور بھی اس چرخ نیلگوں کے نیچے نہیں کیا جا سکتا نہ اس نظام میں امیر اور غریب کی رعایت ہے نہ قریب اور بعید کی اور نہ جرم و سزا کی دنیا میں اس سے بڑھ کر حکمت و مصلحت اور عدل و انصاف پر مبنی دوسرا کوئی متبادل نظام پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس نظام کو لیکر آنے والے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سختی سے یہ تلقین کی کہ کہیں عدل و انصاف کی قدریں مصلحتوں اور رعایتوں کی نذر نہ ہو جائیں۔ فرمایا: اقیموا حدود اللہ علی القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم۔ (ابن ماجہ) "اللہ کی حدود اپنوں اور پرایوں پر یکساں جاری کرو کہیں اس راہ میں خوف اور ملامت رکاوٹ نہ بن جائے"

انقلاب فرانس کے ڈھنڈورے پیٹنے والے خیرہ چشموں اور امریکہ کے بنیادی حقوق پر للچانے والی نظروں سے مساوات انسانی کے سب سے بڑے علمبردار نبی رحمت علیہ السلام کا یہ اسوۂ حسنہ

مستور ہے کہ انہوں نے اپنی جگر گوشہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے بارہ میں فرمایا : واللّٰہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت (اعاذھا اللہ) لقطعت یدھا ۔ (کہ یہ تو بنی مخزوم کی فاطمہ ہے ۔ اگر میری فاطمہؓ سے بھی چوری سرزد ہو جاتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا ۔) آج جو نگاہیں انسانی خون سے رنگے ہوئے سرخ افق میں انسانی عظمتیں تلاش کرتی ہیں اور جو سرخ ندیوں کو جبر و استبداد اور ظالمانہ امتیازات کا علاج ٹھہراتی ہیں ۔ اسلام کے خلیفۂ اوّل ابوبکر الصدیقؓ کا یہ پہلا فرمان خلافت ان کی نگاہوں سے کیوں اوجھل ہو جاتا ہے ۔ کہ : ان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ منہ الحق وان اضعفکم عندی اقوی حتی اخذ لہ الحق (ابن سعد) "تم میں سے بڑی سے بڑی قوت والا بھی اس وقت تک میری نگاہوں میں حقیر اور کمزور ہے ۔ جب تک میں مظلوم کا حق اس سے نہ چھین لوں اور کمزور سے کمزور بھی اس کا حق دلانے تک میری نگاہوں میں مضبوط اور طاقتور ہے "

یہ نظام عدل و انصاف ملک کے ایک حبشی غلام اور معمولی سے معمولی شہری کو حق دیتا ہے کہ وہ خلیفۃ المسلمین کو عدالت کے کٹہرے میں کھینچ لائے اس کی نظروں میں حاکم و محکوم رعایا اور راعی قرابتدار اور اجنبی سب یکساں ہیں ۔ سعودی عرب میں اس نظام کی جھلکیاں موجود تھیں اس نظام اور اس پہ ایمان و یقین کی برکت سے قاتل کو سزا ملی اور اس نظام ہی کی برکت سے آج بھی سعودی عرب امن و امان اور پرسکون زندگی کا گہوارہ ہے ۔ جبکہ ساری دنیا شر و فساد ظلم و جبر ، خوف و اضطراب ، اور وحشت و بربریت سے بھر چکی ہے مگر اسلام کے نظام تعزیرات کی برکت سے جرائم کی سرکوبی کے لئے سعودی عرب میں نہ آئے دن پولیس کے لشکروں میں اضافہ کیا جاتا ہے نہ فوج سے سرکوبی کرانی پڑتی ہے ۔ اور وہاں کی شرح جرائم ساری دنیا سے کم ہے ۔ پھر دوسری طرف یورپ جو اپنے فلسفۂ جرائم کی بنیاد چوروں قاتلوں زانیوں کی ہمدردی اور ظلم و فساد کی وکالت پر رکھتا ہے ۔ اور اسے نام نہاد "انسانیت" کا نقاب اوڑھاتا ہے ۔ وہاں کے اعداد جرائم سے موازنہ کیجئے اور پھر فیصلہ خود کر لیجئے ۔ ہمارے ہاں کے روشن خیال ترقی پسندوں کے علی الرغم آج کتنی آوازیں ہیں جو جرم و سزا کی دنیا سے وابستہ اہم شخصیتوں ، ججوں ، وکلاء اور پولیس کے اعلیٰ حکام کی طرف سے اٹھ رہی ہیں کہ معاشرہ کی تطہیر اور فساد کی بیخ کنی اگر کرنی ہے تو ہمیں اسلام کے نظام حدود و تعزیرات کو اپنانا پڑے گا ۔ مگر جو عقل و خرد کی ساری متاع مغرب کے بازار میں نیلام کر چکے ہوں ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے ۔ ؟

مرحوم شاہ فیصل کا قاتل جاتے جاتے ایسے خیالات کا اظہار کر گیا جو مغربی تعلیم گاہوں اور غیر ملکی لادینی بیت گاہوں پہ مر مٹنے والوں کے لئے بھی لمحۂ فکریہ بن سکتے ہیں ۔ قاتل یورپ میں رہ کر دماغی تحلیل و تجزیہ

برین واشنگ کے ایسے مرحلوں سے گذارا گیا کہ اُسے پوری دنیا میں اسلام ہی نفرت وحقارت کی چیز نظر آنے لگی۔ اور وہ اس لئے اپنے عظیم چچا کو قتل کر بیٹھا کہ وہ اس اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے کیا اس اسلام دشمنی دہریت اور الحاد تک پہنچانے میں قاتل کی مغربی تعلیم گاہوں اور دشمنوں کی مخش اور بدکار صحبتوں اور لادینی نظریات کا دخل نہیں جو شہزادہ شاید اسلام کا بہترین خادم بن سکتا تھا غیروں کی تربیت اور باطل نظریات کے بھینٹ چڑھ کر اسلامی تاریخ کا ایک بدنما داغ بن گیا جو لوگ اپنے ہاتھوں سے اسلام سے بغاوت کی بھٹیاں تعلیم وتربیت کے نام سے تیار کر لیتے ہیں اور پھر اپنی اولاد کو مغربی اور اشتراکی تہذیب کی بھینٹ چڑھا کر انہیں جہنم کا ایندھن بناتے جا رہے ہیں۔ کیا انہیں جَو سے گندم کا ثمرہ مل سکتا ہے ——؟

قطعیاتِ دین کو مشتبہ نہ بنائیں

ہمارے وفاقی وزیر خزانہ رانا محمد حنیف صاحب نے بجٹ پر تقریر کے دوران یہ مژدہ سنایا کہ "ربا" کو ختم کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ یہ سوال ابھی زیرِ غور ہے۔ کہ موجودہ سود اور سودی نظام "ربا" کے تحت آتا بھی ہے یا نہیں —— اس کے جواب میں سوائے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ کے اور کیا کہا جائے۔ "ربا" کے خاتمہ پر "غور" کا سلسلہ تو اس "اسلامی حکومت" کے قیام سے لیکر اب تک برابر جاری رہا۔ مگر اب تو سرے سے موجودہ سودی نظام کی غیر اسلامی اور غیر انسانی حیثیت بھی مشتبہ بنا دی گئی اور یہ ان لوگوں کی زبان سے جو دعویدار تو سوشلزم کے ہیں۔ مگر آج وکالت مغرب کے ملعون سرمایہ دارانہ نظام کی سودی معیشت کی کر رہے ہیں۔ یہی لوگ تھے جو دو سال قبل اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ سود کی بندش سے متعلق قرارداد کو "بھاری اکثریت" سے مسترد کر چکے ہیں۔ اگر سودی نظام ختم کرنے کی بات ہے تو اس کے لئے نہ تو اندیشہ ہائے دور دراز کی ضرورت ہے۔ نہ شیطان کی آنتوں سے بھی لمبے غور وفکر کی۔ بس ایک مومنانہ جرأت اور ایمان ولیقین سے بھرپور پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ متبادل راہیں خود بخود آگے بڑھ کر ہمارے قدم چومیں گی۔

قادیانیت اور چند مبارک فیصلے

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والے ۷ ستمبر کے فیصلہ کے بعد فوری ضرورت اس فیصلہ کے اجراء اور اس کے مطابق قانون سازی کی ہے۔ مگر افسوس کہ حکومت نے اسے اب تک درخورِ اعتنا نہ سمجھا

اور نہ مجلس عمل نے اس بارہ میں گرمئ عمل کا ثبوت دیا۔ اب مدتوں بعد یہ مسرت انگیز خبر سامنے آئی کہ صدر پاکستان نے ایک حکم کے ذریعہ سینیٹ کے انتخابات میں حصہ لینے والے مسلمان امیدواروں پر لازمی قرار دیا کہ وہ اس مضمون کا حلف اٹھائیں گے کہ وہ حضور اقدس کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ کسی ایسے شخص کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے جو حضورؐ کے بعد کسی بھی معنی یا مفہوم میں نبوت کا دعویدار ہو شناختی کارڈوں کیلئے جو نئے فارم سامنے آچکے ہیں ان پر بھی حلف نامہ کی ایسی عبارت صاف اور غیر مبہم الفاظ میں موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سے قبل اب تک جاری شدہ شناختی کارڈوں کے بارہ میں بھی ایسی ہی کارروائی کی جائے اور یہ کہ کسی مرزائی کے پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور دیگر کاغذات میں واضح طور پر اس کا مرزائی ہونا واضح کر دیا جائے تاکہ کسی بھی مسلمان ملک کو مغالطہ اور فریب کا شکار نہ ہونا پڑے۔

اس ضمن میں دم تحریر متحدہ عرب امارات کی ریاست ابوظہبی کی عدالت عالیہ کے اس ایمان افروز فیصلہ کا متن بھی سامنے آچکا ہے۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"مذکورہ بالا امور کے پیش نظر میں حکومت کے ذمہ داروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ قادیانیوں کو بیک بینی دوگوش متحدہ عرب امارات سے ملک بدر کر دیا جائے۔ اور آئندہ داخلہ ممنوع قرار دیا جائے۔ ہماری حکومت کو قادیانیوں کے پاسپورٹ میں لفظ قادیانی نوٹ کر لینا چاہیئے۔ ان کا لٹریچر ضبط کر لیا جائے اور پڑھنا پڑھانا ممنوع، نیز حکومت کو لازم ہے کہ قادیانیوں کے عقائد باطلہ کو بے نقاب کرنے کیلئے تمام ذرائع ابلاغ سے کام لے تاکہ مسلمانوں پر واضح ہو کہ قادیانیت ایک الگ مذہب اور اسلام سے خارج ہے۔ اور یہ کہ قادیانی غیر مسلم اور مرتد ہیں۔" (احمد بن عبدالعزیز آل مبارک رئیس القضاۃ ۲۹/۵/۱۳۹۵ھ)

ہم ابوظہبی کی اسلامی عدالت کو تہ دل سے اس مومنانہ فیصلہ پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دیگر اسلامی ممالک سے اسکی تقلید کرنے کی اپیل کرتے ہیں۔

ویٹ نام سے بعد از خرابئ بسیار امریکی سامراج کا جنازہ نکل گیا ۳۰ سالہ جنگ میں امریکہ کے ہاتھ کیا آیا۔؟ ۲۳ لاکھ افراد لقمۂ اجل بنے، دو کروڑ بے گھر، نو لاکھ یتیم ویت نام کی آدھی آبادی پناہ گاہوں سے محروم ہوئی امریکہ نے پونے بیس کھرب روپے اس آگ میں پھونک ڈالے جو پوری دنیا کو بھوک سے نجات کا ذریعہ بن سکتے تھے اور جس سے ڈھائی سو سال تک، پاکستان کا بجٹ پورا ہو سکتا تھا۔ امریکہ کو اس کے عوض ملا تو کیا؟ عالمی رسوائی، ذلت، شرمندگی، درندگی اور بہیمیت کا سرٹیفکیٹ۔ اب تھائی لینڈ سے امریکہ بھگایا

جارہا ہے۔ کمبوڈیا نے رسوا کرکے گھر سے نکال دیا۔ کوریا اور لاؤس میں پٹائی ہورہی ہے۔ یہ ہے اس صدی کے عظیم سامراجی کا عبرتناک انجام۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ سامراجی قوتوں کے بارہ میں ہمارے اکابرینِ جنگِ آزادی کی پیشنگوئیاں ایک ایک کرکے پوری ہورہی ہیں۔ برطانیہ کے بعد امریکہ کا سٹیر بھی مررہا ہے۔ سامراج سکڑ رہا ہے، اور اس صدی کے اختتام تک برطانیہ کیطرح امریکہ کا بھی دنیا کی قلاش اور غریب و بے دست اقوام میں شمار ہونا کوئی ناممکن بات یا خوش فہمی نہیں رہی۔

سردار عبدالقیوم کی آئینی اور جمہوری حکومت کو جس بے دردی سے ذبح کیا گیا۔ پاکستان کے ۲۷ سال میں اس جمہوریت کشی کی مثال نہیں مل سکتی۔ ان کے اسلامی نظام اور احیاء شریعت کے نعرے ایک لحظہ بھی برداشت نہیں ہوسکتے تھے۔ اور چاہا گیا کہ حق و صداقت اور دین و شریعت کی کوئی معیاری مثال قائم نہ ہونے پائے۔ کشمیر کے استصواب رائے کی جو آواز بھارت نے شیخ عبداللہ کو تخت پر بٹھانے کی شکل میں خاموش کردی۔ اپنے ہاں کی وہی آواز ہم نے سردار قیوم کی حکومت کو تختہ دار پر کھینچ کر ختم کردی مقصد ایک تھا۔ ادھر تخت سے حاصل ہوا ادھر تختے سے۔

پچھلے ماہ کراچی میں حضرت علامہ مولانا سید محمد زکریا بنوری پشاوری قدس سرہٗ کا انتقال ہوا۔ وہ حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ کے والد بزرگوار تھے۔ عظیم بیٹے کے عظیم والد، علم و عمل میں منفرد، اکابر علماء کا نمونہ، حسنِ خلق، ظرافتِ مزاج شفقت و محبت کا پیکر، علمی تبحر، عقلیات، طب اور تصوف جیسے علوم میں اعلیٰ البصیرت رکھنے والے اور ذی رائے بزرگ کا سانحۂ وفات نہ صرف علامۂ بنوری مدظلہٗ بلکہ پوری علمی دنیا کے لئے صدمہ ہے۔ اور پوری علمی دنیا ان کے ساتھ اس غم میں برابر کی شریک ہے۔ حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو بہترین مقامات قرب و رضا عطا فرمادے۔ اور حضرت بنوری مدظلہٗ اور ان کے خاندان کو صبر جمیل نصیب ہو۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

★ الحق ایک ایرانی ماہنامہ کی نظر میں ★

مجلہ ہائے معتبر و مفید پاکستان است و بہ سرپرستی حضرت مولانا عبدالحق صاحب منتشر می شود بہ دفتر مجلۂ وحید واصل گردید۔ ایں مجلہ حاوی مطالب سودمند بہ زبان اردو و فارسی است۔ توفیق خدمت برائے سرپرست و کلیہ کارکنان ایں نشریۂ مفید آرزو داریم

(مجلہ وحید محرم ۱۳۹۴ھ بمطابق فروری ۷۴ء)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کیساتھ ایک مجلس

ایک انٹرویو
۶ مئی ۱۹۷۵ء

دینی مدارس کا

نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم

پچھلے دنوں کراچی سے مولانا مدظلہ کے ایک نیاز مند جو ایک انگریزی پرچہ کے مدیر بھی ہیں اپنے ایک تحقیقی اور علمی کام کے سلسلہ میں مولانا مدظلہ سے دینی مدارس کے نصاب و نظام کے بارہ میں تبادلۂ خیال کرنے تشریف لائے۔ انہوں نے انٹرویو کی شکل میں کی گئی مولانا کے ساتھ گفتگو کو قلمبند فرمایا جسے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

ادارہ

دینی مدارس کا نصابِ تعلیم | دینی مدارس کا نظامِ تعلیم دراصل دینیات کی تعلیم کا نظام ہے اس نظامِ تعلیم میں شریعت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ شریعت جو کامل اور مکمل ہے۔ اس میں عبادات، معاملات، معاشرتی امور، سیاسیات، معاشیات، نکاح و طلاق کے مسائل، رعیت اور حاکم کے حقوق و فرائض، بیع و تجارت، اور سفارت، میراث و وصیت کے مسائل، غرض زندگی کا ہر پہلو اور ہر مسئلہ شامل ہے۔ یہ نظامِ تعلیم جس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اسلامی احکامات اور قوانین کی تعلیم کو باقی اور جاری رکھا جائے۔ اسی لئے قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم اس نظامِ تعلیم میں بنیادی حیثیت سے شامل کئے گئے۔ پھر قرآن اور حدیث سے احکامات اور قوانین مستنبط کرنے کے اصول وضع ہوئے۔ اور اس عمل نے باقاعدہ علم کی صورت اختیار کی جو اسے اصولِ فقہ کے نام پر اس نظامِ تعلیم میں رائج کیا گیا۔ بعد ازاں جب دورِ عباسیہ میں یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہوا تو اس فلسفے کے مختلف مسائل کو الہٰیات، طبعیات، منطق اور شعریات کے عنوانات سے اس نظامِ تعلیم میں شامل کر لیا گیا لیکن فلسفۂ یونان کے متعدد پہلو اسلامی عقائد سے متصادم اور متناقض تھے۔ چنانچہ علماءِ اسلام نے ان پہلوؤں کا ابطال کیا اور ان کے تنقیدی مطالعہ کو علم کلام کی صورت میں دینی تعلیم

میں شامل کر لیا گیا۔ فلسفہ اور منطق کی کتابیں کم و بیش اسی دور میں نصابِ تعلیم میں شامل کی گئیں مقصد یہ تھا کہ ایسے فلسفیانہ نظریات کا تنقیدی مطالعہ کر کے ان کا ابطال کیا جائے جو اسلامی تعلیمات سے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر سکتے تھے۔ علم کلام کی تشکیل اسی مقصد کو سامنے رکھ کر کی گئی۔

علاوہ ازیں چونکہ قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لئے عربی زبان، اس کے محاورات اور کمالات سے واقفیت ضروری تھی، اسی لئے عربی گرامر ـــــ صرف، نحو ـــــ کی تشکیل ہوئی۔ پھر قرآن کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کے لئے، جو اپنی مثال آپ تھی، علم بیان و معانی کی تشکیل ہوتی تاکہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لطیف پہلوؤں کا ذوق پیدا ہو سکے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عربی گرامر اور علم بیان و معانی کا مطالعہ بھی بجائے خود کوئی مقصد نہ تھا۔ بلکہ ان علوم کی تعلیم کو قرآن و حدیث ہی کی خدمت کے لئے شامل کیا گیا تھا۔

دینی مدارس کی تعلیم کا مقصد | اس تعلیم کا بنیادی مقصد دین کا تحفظ اور اس کی اشاعت تھا۔ موجودہ دینی مدارس کا نصب العین بھی صرف یہی ہے کہ دینی تعلیمات کا تحفظ کیا جائے، اس سے زیادہ ان مدارس کی بساط بھی نہیں ہے۔ اصل کام جو موجودہ حالات میں ہمارے کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ جو دین بزرگوں سے ہم تک پہنچا ہے، وہی محفوظ رہے۔ اس سے آگے بڑھ کر کچھ اور کرنے کے لئے نہ ہمارے پاس وسائل ہیں اور نہ فنڈز۔ کوئی متعالی نصب العین مدارسِ دینیہ اس وقت اپنے سامنے رکھیں گے۔ جب حکومت بھی تعاون کرے گی اور اس کا رِ خیر میں حصہ لے گی، لیکن حکومت کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس اعتماد کا اہل اور قابل ہی ثابت نہیں کرتی کہ وہ اس کام میں کوئی حصہ لے سکے۔

مدارسِ دینیہ کی تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت اور گنجائش | میرے نزدیک اپنے مقصد اور نصب العین کے اعتبار سے اس نظامِ تعلیم میں کوئی ایسی کمی نہیں ہے، جسے دور کرنے کے لئے اس میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس نظام نے اب تک جتنے افراد پیدا کئے ہیں۔ وہ علم و دانش کے لحاظ سے قابلِ رشک تھے۔ اگر اس نظامِ تعلیم میں کوئی کمی ہوتی تو یہ علماء اور فضلاء کیسے پیدا ہوتے۔؟ سبھی علماء و فقہاء اسی نظامِ تعلیم سے پڑھ کر نکلے ہیں۔

جہاں تک اس نظامِ تعلیم میں ترمیم و تبدیلی کا سوال ہے۔ تو شریعت کی کلیات میں تو کسی بھی ترمیم و تنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم قرآن و حدیث کے کسی حصے کو تو حذف نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے تو امکان صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے۔ جب ہم خدانخواستہ اسلام ہی کو چھوڑ دیں۔

صاف بات ہے کہ اگر کوئی شخص آج یہ کہتا ہے کہ موجودہ دور میں سود کی حرمت اور پانچ وقت کی نماز چلنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ اور یہ کہ نماز پڑھنے سے دفتروں اور کارخانوں کے کام میں حرج ہوگا، تو ہم ان دلائل کی بناء پر نہ تو سود کو جائز قرار دے دیں گے اور نہ ہی نماز کو ساقط کر دیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

البتہ جہاں تک مدارس دینیہ میں پڑھائے جانے والے دیگر علوم کا تعلق ہے۔ مثلاً فلسفہ منطق اور کلام وغیرہ تو ان میں تبدیلی اور ترمیم و تنسیخ کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن اس کی جو صورت ہمارے لئے قابل قبول ہوگی وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کی تمام حکومتوں کی سرپرستی میں جدید علوم کے چیدہ چیدہ ماہرین پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا جائے۔ یہ بورڈ جدید علوم فلسفہ، منطق، کلام اور علوم عمرانیات کا ایک خلاصہ تیار کرے۔ پھر دنیائے اسلام کے منتخب علماء مل کر ان جدید علوم کے ان پہلوؤں کا ابطال تیار کریں جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے متصادم ہوں، اس طرح جو مجموعے مرتب ہوں، انہیں دینی مدارس کے نصاب میں شامل کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

۱۔ تبدیل شدہ نصاب کو صرف اسی صورت میں درس نظامی میں شامل کیا جائے گا۔ جب اس کے لئے اجتماعی کوشش کی جائے گی۔ بیشک انفرادی سطح پر ہمارے ہاں بہت قیمتی کوششیں ہوئی ہیں۔ اور سوشلزم، سرمایہ داری اور اشتراکیت کی رد میں جو کتابیں اور رسائل لکھے گئے ہیں، ان سے ہمارے نوجوان طبقے نے استفادہ بھی کیا ہے۔ تاہم یہ ساری کوششیں چونکہ انفرادی تھیں۔ اس لئے انہیں مدارس دینیہ کے نظام تعلیم میں شامل نہیں کیا جا سکا۔

۲۔ تبدیل شدہ نصاب کے مجموعے مرتب کرنے وقت یہ بات پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ مخالفین اسلام کے اقوال و نظریات ہی کو جمع کر کے نہ پڑھا دیا جائے۔ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث اور عقل کی روشنی میں ان کا رد اور ابطال بھی طلبہ کو پڑھایا جائے۔

۴۔ اس کام میں جدید علوم کے ماہرین اور علوم اسلامیہ کے ماہرین کا باہمی تعاون بے حد ضروری ہے۔

۵۔ تبدیل شدہ نصاب کے مجموعے عربی زبان میں مرتب کئے جائیں۔

علوم عمرانیات کا شامل ہونا بہت ضروری ہے۔ ہم خود چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور وسائل مہیا فرمائے تو ہم اپنے مدرسے میں علوم عمرانیات کو شامل کر لیں۔ لیکن اصل مسئلہ وسائل اور اساتذہ کا ہے۔

اس سلسلے میں خود طلبہ کا رویہ بھی سامنے رکھنا چاہیئے۔ طلبہ بھی نئے علوم نہیں پڑھنا چاہتے۔ وہ لکیر کے فقیر ہیں اور صرف پرانی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں۔ طلبہ جب چاہتے ہیں۔ ایک مدرسہ چھوڑ کر دوسرے مدرسے میں چلے جاتے ہیں۔

حکومت کی مداخلت | اگر حکومت دینی مدارس میں مداخلت کرنا چاہتی ہے تو اُسے چاہیئے کہ پہلے اپنے حسنِ نیت کا اعتبار اور ثبوت مہیم پہنچائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اُسے اصلاح کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نظامِ تعلیم کی اصلاح کا کام کیوں نہیں کرتی۔؟ اس سے اُسے کون روک رہا ہے۔؟

دینی مدارس کے نظامِ تعلیم نے گزشتہ بارہ سو سال سے اسلام کو باقی رکھا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اب اگر اس کو بھی بدل دیا جائے۔ جبکہ اس کی جگہ لینے کے لئے کوئی دوسرا نظام بھی موجود نہیں ہے، تو کیا اس سے خطرناک نتائج پیدا نہ ہوں گے۔؟

درسِ نظامی میں قرآن وحدیث کا مطالعہ | آپ دیکھیں گے کہ مدارسِ دینیہ میں معاون علوم پانچ یا چھ سال میں پڑھائے جاتے ہیں۔ آخری دو سالوں میں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے فلسفے کی بڑی اور غیر ضروری کتابیں حذف کر دی گئی ہیں۔ ہم بھی منطق اور فلسفہ کے حصے کم کر رہے ہیں۔ لیکن فلسفہ ومنطق کو بالکل ختم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان کی عدم موجودگی سے طلبہ کی علمی اور ذہنی صلاحیتوں میں ضعف پیدا ہونے کا امکان ہے۔

طریقِ تعلیم اور دورِ جدید کے مسائل | آپ کی یہ رائے درست ہے کہ حدیث کی تعلیم کے دوران اکثر مدارس میں اصولی مسائل پر کم اور فروعی، اختلافی مسائل پر بحث زیادہ ہوتی ہے۔ آج سے چھ سو برس پہلے کا جو دور گزرا ہے۔ آپس میں متعدد اختلافی بحثیں چھڑی ہوئی تھیں۔ ان اختلافی بحثوں کا اثر مدارس کی تعلیم پر بھی پڑا ہے۔ مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق ہے کہ قرآن وحدیث کی تعلیم کے دوران اساتذہ کو موجودہ دور کے مسائل کو زیر بحث لانا چاہیئے۔ جب تک کہ مذکورہ بالا تجویز کے مطابق کوئی مستقل نصاب نظریاتِ باطلہ کی رد کے لئے رائج نہیں ہوتا۔ اس وقت تک نظامِ تعلیم میں فروعی اختلافی مسائل سے توجہ ہٹا کر اصولی مسائل پر توجہ کی جائے۔ عالمِ اسلام کے مسائل، حالیہ دور کے حالات وکوائف اور معاشرتی اور اقتصادی امور بھی زیر بحث لائے جائیں تاکہ طلبہ میں دورِ جدید کے مسائل کا فہم اور شعور پیدا ہو سکے۔

دراصل درسِ نظامی کا مقصد ہی یہی ہے کہ طلبہ میں مطالعے کی ابتداء کرا دی جائے اور ان میں مطالعہ

تحقیق کا ذوق پیدا کر دیا جائے۔ درسِ نظامی سے فارغ ہونے والا طالب علم عالم نہیں بن جاتا جس طرح منطق پر دو تین کتابیں پڑھ کر کوئی شخص منطقی نہیں بن جاتا۔ درسِ نظامی تو طلبہ میں اس بات کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ کہ وہ مزید مطالعہ و تحقیق کے قابل ہو سکیں۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ طلبہ میں مطالعے کے ذوق کی کمی ہے۔ اور مطالعے سے گھبراتے ہیں۔

مدارسِ دینیہ میں پیشہ ورانہ تربیت | پہلی بات تو یہ ہے کہ اس تعلیم کا مقصد معاش کمانا ہے ہی نہیں۔ ہمارے ہاں تصوّر یہ ہے کہ دین کو سیکھیں، اس پر عمل کریں اور اس کی اشاعت کریں نہ یہ کہ اس سے معاش کمانے کی کوشش کریں۔

تاہم آپ کی یہ بات درست ہے کہ موجودہ دور میں پیشہ ورانہ تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ دراصل پرانے زمانے میں توکّل اور قناعت بہت تھی۔ علماء مساجد اور مدارس میں بغیر معاوضہ یا تنخواہ لئے دین کی خدمت کرتے تھے، جوار کی سوکھی روٹی پر بھی خوش تھے۔ اب اس دور میں یہ جذبہ ناپید ہو رہا ہے۔ اب ضروری ہے کہ مدارسِ دینیہ کے طلبہ کو کچھ ایسے فنون سکھا دئے جائیں جن سے وہ آزادانہ طور پر اپنی روزی کما سکیں۔ ان فنون میں طب، خوشنویسی، درزی کا کام، جلد بندی وغیرہ کا کام وغیرہ شامل کئے جا سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں میرا عملی تجربہ یہ رہا ہے کہ جن لوگوں نے کوئی اور کام سیکھا ہے، وہ پھر اسی کام کے ہی ہو کر رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اسکولوں اور کالجوں میں عربی اور اسلامیات پڑھانے پر بھی جو لوگ مامور ہوتے ہیں، ان کا عالم بھی یہ ہے کہ اپنی تین تین چار چار سو روپے کی تنخواہوں میں مگن ہو کر دین کو بھول چکے ہیں۔

اسکولوں، کالجوں میں دینی تعلیم | حکومتی نظام کے تحت جو تعلیمی ادارے چل رہے ہیں۔ ان میں صدقِ دل سے دین کی خدمت نہیں ہو رہی۔ ظاہر ہے کہ تین چار سورتوں کو یاد کر کے یا ان کا ترجمہ پڑھ کر دینی تعلیم کے سارے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اس کے لئے علومِ اسلامیہ سے کلّی آگاہی ضروری ہے۔ کالجوں میں زیادہ سے زیادہ بچوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ مسلمان ہیں۔ اور یہ کہ نماز وغیرہ کیسے پڑھی جاتی ہے۔ لیکن اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسلام کی بنیاد پر امریکہ، روس اور چین کے باطل نظریات کا مقابلہ کر سکیں تو اس کے لئے یہ بات کافی نہیں ہو گی، اس کے لئے علومِ اسلامیہ کا گہرا مطالعہ کرنا ہو گا۔

اجتہاد کی ضرورت، گنجائش | اجتہاد کا مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اگر اجتہاد کی کھلی

اجازت دے دی جائے۔ تو پھر آپ کو ہر گلی اور ہر محلے میں دس دس بیس بیس مجتہد ملیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی احکام و شریعت کے متعلق تصادم و انتشار کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

یہ جو ہمارے اکابر نے کہا ہے کہ اجتہاد کا سلسلہ بند ہو چکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب انفرادی رائے نہیں دی جائے گی۔

اب جو مسائل پہلے زمانے میں پیش آ چکے ہیں اور قرآن و حدیث میں ان کے متعلق فیصلہ دیا جا چکا ہے تو ان میں اجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں انہیں کسی قاعدہ اور اصول کے تحت حل کیا جائے۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد کی شرائط کو کما حقہٗ پورا کر کے ان مسائل پر اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ بہتر صورت یہ ہو گی کہ چیدہ چیدہ علماء مل کر بیٹھیں اور زیر بحث مسئلے کے مالہٗ وما علیہ پر غور کر کے کسی متفقہ فیصلے پر پہنچیں۔ اس اجتماعی کوشش میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی شامل ہو گی۔

مولانا صادق حسن عقیل
ندائے فرقان۔ بنگلور

قرآن کے تاریخی حقائق اور جدید تحقیقات

کشتیٔ نوح

انیسویں (۱۹) صدی کے بعض روشن خیال محققین نے آدم و نوح و ابراہیم اور لوط علیہم السلام کی تاریخی شخصیتوں کا انکار ہی کر دیا تھا۔ اور ان کے واقعات کو مذہبی افسانے کہہ کر اُن کی تاریخی حیثیت کو ناقابل تسلیم قرار دے دیا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے اس بیسویں صدی سے تحقیق کا رُخ برابر بدلتا جا رہا ہے۔ مذہبی حقائق کی تاریخی حیثیت اب ناقابل تسلیم سے چار و ناچار قابلِ تسلیم بنتی جا رہی ہے۔

خصوصاً حضرت نوحؑ کے زمانے کے طوفان کی عمومیت اور ان کی کشتی کے موجود ہونے کے انکشافات قابلِ ملاحظہ ہیں۔

کلامِ ربانی میں کشتیٔ نوح سے متعلق صاف طور پر بتلایا گیا تھا کہ وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (اور ہم نے اس (کشتی) کو اہلِ عالم کے لئے ایک نشانی بنا چھوڑا ــــــ) آج سے چند سال بیشتر تک چونکہ کشتی سے متعلق تفصیلی معلومات سامنے نہ آسکی تھیں اس لئے بعض مفسرین نے جَعَلْنٰهَا کی ضمیر سفینۂ نوح کی جانب لوٹانے کی بجائے ایک محذوف (یعنی لفظ قصّہ یا لفظ عقوبۃ) کی طرف لوٹائی ــــ یعنی ہم نے ان کے قصّہ کو یا ان کی سزا کو ایک یادگار بنا دیا۔

اگرچہ بعض تفسیروں میں اس بات کا بھی تذکرہ ہے کہ جہاد موصل میں بعض لوگوں نے اسے دیکھا بھی تھا۔ مگر کس نے دیکھا اور کہاں دیکھا۔؟ پھر کیا کیا تحقیقات کی گئیں، اس کی کوئی تفصیل ہمیں قطعاً نہیں ملتی۔ بلکہ بعض تفاسیر میں تو اسے ضعیف قول کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ مگر اب ساری بات کھل کر سامنے آچکی ہے۔ پہلے تو فرانسیسی محقق فرےننڈ ناورا (FERENAND NAVARRA) کے ذریعہ ہوئی۔ انہیں کوہ ارارا ط پر ایک لکڑی شاہ بلوط کی جس کی جسامت $\frac{5 \times 5}{15}$ تھی اور اس کا وزن 50 پونڈ تھا دستیاب

ہوئی۔ لکڑی کی عمر کا اندازہ 5 ہزار سال کا لگایا گیا، جو حضرت نوحؑ کا عین زمانہ ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے اب پوری کشتی کا ہی سراغ لگ چکا ہے۔

روسی ہواباز ولاڈ ہیر روسکو وسکی نے آرمینیا کے پہاڑ کی چوٹی پہ ایک بڑی چیز دیکھی جس کے انوکھے پن نے اُسے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ جہاز سے جب وہ اترا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ کہ ایک بہت بڑی کشتی منجمد برف میں پھنسی ہوئی تھی۔ جہاز کے ذمہ دار کو بھی بلا لیا گیا اس نے جب دیکھا کہ ایک بہت بڑی کشتی ایک دشوار گزار اور بلند پہاڑ پہ (جہاں کسی بھی انسان کی آمد و رفت کا نشان نہیں ہے۔) موجود ہے تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا:

"مجھے تو یہ وہی کشتی معلوم ہوتی ہے جو مذہبی کتابوں میں "کشتیٔ نوحؑ" کے نام سے مشہور ہے۔"

پھر یہ لوگ واپس ہو گئے۔ اس کے بعد دو فوجی دستے چند محققین کے ساتھ آئے۔ بڑی مشکل سے کشتی کے اندر نیچے موجود کمروں کی پیمائش بھی انہوں نے کی۔ دیکھا کہ کئی کمرے مختلف انداز پر بنے ہوئے ہیں۔ ان میں بعض کمرے بہت بڑے تھے جو ہاتھی کے قابل ہو سکتے تھے۔ بعض بہت اونچے تھے جو اونٹ کے رہنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

اس جماعت کے واپس ہو جانے کے بعد ایک تیسری جماعت ترک احباب کی پہنچی، ان کے بیان کے مطابق جس کا طول و عرض $\frac{300 \times 50}{30}$ ہے جس کے باہر کے حصہ پہ تار کول (ڈامبر) جیسا کوئی مادہ لگایا گیا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے، کہ ۱۸۸۲ء کے ایک زلزلہ میں اصلی جگہ سے ہٹ کر موجودہ گڑھے میں آرہی ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جبل وام (VAM) کے جنوب مغرب میں جو پہاڑی سلسلہ اراراط کا چلا ہے۔ اسی کی ایک چوٹی کا نام "جودی" ہے۔ اسی لفظ جودی کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ قدیم تورات میں بھی یہی لفظ تھا۔ سریانی و کلدانی زبان کی تورات میں بھی اب تک یہی لفظ ہے۔ مگر دوسرے موجودہ تراجم میں لفظ اراراط ہے، جودی کا نام نہیں ہے۔ جو بعض کم فہم احباب کے لئے باعث اشکال تھا کہ تمہارے قرآن میں یہ لفظ جودی کہاں سے آگیا؟ خدا کا فضل اراراط اور جودی کی تحقیق بھی سامنے آچکی ہے۔

نیز اس بات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ آج کل کی سائنس میں علم طبقات الارض میں ایک مستقل شعبہ طوفانِ نوح سے متعلق قائم کر دیا گیا ہے جسے (DELAGE GEDAGY) کہا جاتا

ہے۔ خصوصاً دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سائنس دانوں کا ایک وفد جب قطب شمالی کی سیاحت پر روانہ ہوا تو اُسے اس سفر میں اس قدر سائنٹفک انکشافات حاصل ہوئے کہ شمالی روس کے علاقہ سائبیریا میں ایک مستقل تحقیقاتی ادارہ بنام "فلسفۂ کہر دائمی کا ادارۂ تحقیقات" قائم کر دیا گیا جس نے طوفانِ نوح سے متعلق ایسے ایسے انکشافات کئے ہیں اور ایسے عمدہ قسم کے استدلالات کئے ہیں جو دیکھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ آپ کو جدید معیارِ تحقیق و تنقید کا بھی ہلکا سا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مذکورہ اکیڈمی کے انچارج پروفیسر گریاز نوف (GRYAZNOV) نے حال ہی میں کوہ التائی کے دامن کو اپنا تحقیقاتی مرکز قرار دیکر برف کے منجمد ٹیلوں کی کھدائی شروع کی تو تقریباً پچاس قدم کی کھدائی کے بعد گھوڑوں کا ایک اصطبل خانہ نمودار ہوا جو لکڑی کی چھت کا تھا۔ اس کے اندر دس گھوڑے صحیح وسالم مگر برف میں ٹھٹھرے ہوئے بے حس وحرکت کھڑے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں کب انہیں پیغامِ اجل ملا تھا۔ مگر تمام اعضاء حیرتناک حد تک درست اور محفوظ تھے۔ زین کسی ہوئی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مالکوں کو ہونے والے کسی شدید برف، باری یا طوفان کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے ان گھوڑوں پر سوار ہو کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں نکلنے کا منصوبہ بنا ہی رہے تھے کہ برف باری میں پھنس کر رہ گئے۔ اس وقت دریافت شدہ گھوڑوں کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور ان کے معدوں میں نیم ہضم غذا بھی موجود ہے۔ زین کا چمڑہ عمدہ ہے اور رکابوں پر معمولی قسم کا سنہرا کام بھی کیا ہوا ہے۔ قیاس ہے کہ قرب وجوار میں کہیں ان کے مالکوں کا بھی سراغ لگ جائے گا۔

بہرحال اس عجیب وغریب انکشاف سے علمی دنیا میں ایک ہلچل سی مچ گئی اور مختلف قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ کچھ لوگ نظریۂ طوفانِ نوح کی صداقت اس انکشاف سے کرنے لگے اور بعض احباب نے اس نظریہ کا انکار کرتے ہوئے یہ توجیہ کی کہ وہ ڈھانچے درحقیقت منطقۂ منجمدہ کے جانوروں کے ہیں جو اپنی غذا کی تلاش میں نسبتہً سرد تر علاقوں کی جانب نکل گئے اور برف باری کا شکار ہو گئے۔

اس معاملے میں ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اس میں سب سے بڑی دلیل یہ دی گئی ہے کہ جن حیوانات کے ڈھانچے اب تک وہاں مل سکے ہیں ان میں قدیم زمانے کا ہاتھی بھی ہے۔ اور ہاتھی میں تیرنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے۔ خصوصاً ہاتھی کی لاش جوں جوں سڑ کر پھولنے

لگتی ہے۔ اسی قدر وہ سطح آب پر تیرنے کے لئے زیادہ موزوں ہو جاتی ہے۔ کئی کئی آدمی بیک وقت اس پر سوار ہو کر دریا پار کر جاتے ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ڈھانچے ان جانوروں کے ہیں جو طوفان نوح میں غرقاب ہو گئے تھے۔ کیونکہ اگر واقعتہً زبردست طوفان کا حادثہ ہوا تھا تو زندہ و مردہ سبھی ہاتھی سیلاب میں بہہ کر سینکڑوں میل آگے نکل جاتے اور خشک علاقوں میں گل سڑ کر ختم ہو جاتے۔ پھر وہ سائبریا کے علاقے میں دستیاب کیسے ہو گئے۔؟

یہ تھی وہ دلیل جو ان کے پاس زیادہ وزنی سمجھی گئی تھی اور اس کو بنیاد بنا کر واقعہ طوفان نوح کی وہ بدستور تکذیب کرتے رہے لیکن ان کے خیالات کی سب سے پہلے تردید ڈاکٹر نیوویل (DR. H.H. NEVVILLE) نے کی۔ انہوں نے ان جانوروں کا پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد یہ ثابت کیا کہ سائبیریا کے برفستانوں میں جو ڈھانچے برآمد ہوئے ہیں وہ منطقہ معتدل کے ہیں۔ وہ منطقہ منجمد کے ہو نہیں سکتے۔

۱۔ کیونکہ ان کے اجسام میں ایک طرف پسینہ کے وہ غدود موجود ہیں جو منطقہ منجمد کے جانوروں میں پائے نہیں جا سکتے۔

۲۔ دوسری جانب ان کی جلدوں پر ایسے گھنے بالوں کا قطعاً کوئی نشان نہیں ہے جن کا منطقہ منجمد کے جانوروں پر ہونا از حد ضروری ہے۔

ڈاکٹر جیمس اور ان کے چند ہم خیال احباب نے مزید تحقیقات کے بعد چند اور دلائل بھی فراہم کئے ہیں۔

۳۔ ان کا کہنا ہے کہ ان جانوروں کے معدہ سے جو دانہ چارہ نکلا ہے اس کا تعلق منطقہ معتدل کی پیداوار سے ہے۔ لہذا یہ قرین قیاس ہے کہ وہ خوفناک عالمگیر طوفان میں بہتے ہوئے منطقہ معتدل سے منطقہ منجمد تک پہنچ کر برف کے تودوں میں دب کر رہ گئے۔

۴۔ طوفان نوح کے منکروں کا کہنا یہ تھا کہ یہ ڈھانچے ان جانوروں کے ہیں جو منطقہ منجمد میں تھے۔ اور تلاش غذا میں یہاں تک پہنچ گئے ——— لیکن ان سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب ہندوستان جیسے ملک میں (جو ہاتھیوں کی نشو و نما کے لئے بے نظیر ہے۔) نسبتہً چھوٹے قد کے ہاتھی ہوتے ہیں۔ تو پھر کس طرح یہ مان لیا جائے کہ ایک خالص برفستانی علاقے میں اس قدر عظیم الجثہ جانور پایا جائے جو ہندوستان کے ہاتھیوں سے بھی اپنی جسامت میں دو گنے ہوں۔؟ ——— لہذا ماہرین طبقات الارض کو اس نظریئے کو ماننے بغیر چارا نہیں کہ دنیا کی آب و ہوا میں طوفان نوح کے بعد زبردست تغیر و تبدل

ہوا ہے۔ جس کے بعد ہی منطقۂ منجمد بھی موجود ہو سکا ہے۔ اس سے پہلے منطقۂ منجمد کا کوئی پتہ نہ تھا۔
۵۔ تھوڑی دیر کے لئے نظریۂ طوفان کے منکرین واقعۂ طوفان کو مانتے ہوئے یہ دوسرا اعتراض اگر پیش کر دیں کہ یہ ہاتھی تیر کر بہت دور کیوں نہ نکل گئے؟ تو ہم جواب میں یہ کہیں گے کہ موجودہ ہاتھیوں کے برخلاف دستیاب شدہ ہاتھیوں کی ہڈیاں ٹھوس اور وزن دار ہونے کی بجائے اسفنجی ساخت کی ہیں جس سے ان میں زیادہ دور تک تیرنے کی صلاحیت نہیں رہ سکتی۔
۶۔ ان منکرین کی یہ دلیل بھی آخر کتنی کمزور ہے کہ منطقۂ منجمد کے جانور اپنی غذا کی تلاش میں مقابلۃً زیادہ سرد علاقوں کیطرف نکل گئے۔ اگر جانوروں کی طبیعت میں یہ رجحان پایا جاتا کہ غذا کی تلاش زیادہ سرد مقامات پر پہنچ کر کرنی چاہیئے تو اس کا سلسلہ آج بھی جاری رہنا چاہیئے تھا۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ اور محتاج ثبوت ہے۔

۷۔ دستیاب شدہ ڈھانچے زمین کی کافی گہرائی سے برآمد ہوئے ہیں جن پر خشک شدہ کیچڑ اور گھونگھوں وغیرہ کی تہ چڑھی ہوئی ہے۔ اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ یہ جانور سیلاب سے پیدا ہونے والی دلدل میں دھنس کر ہلاک ہوئے ہیں جن پر برفانی کفن چڑھ گیا یا برف کے تودے ان کے لئے تابوت، مقبرہ بن گئے اور ان "سرد خانوں" میں ان کے جسم محفوظ رہ گئے۔ محض برف سے یہ دب گئے ہوتے تو کیچڑ اور گھونگھوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟
۸۔ برآمد شدہ جانوروں کے سروں کے اندر خون کی نالیوں میں امتلاء کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اور وہ تمام آثار و علامات پائے جاتے ہیں جو غرقابی کی شکل میں پیدا ہو سکتے ہیں۔
۹۔ تمام ہی اجسام برف اور تاریکی میں پوری طرح محفوظ ہو جایا کرتے ہیں زمانہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ (جیساکہ کوہ التائی پر دستیاب شدہ گھوڑوں کا تذکرہ گذرچکا۔) مگر سائبیریا کے بعض برفانی علاقوں ہی میں قدیم جانوروں کے ایسے ڈھانچے بھی برآمد ہوئے جو شکستہ حالت میں ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ان جانوروں کے ڈھانچے ہیں جو خشک علاقوں کے ہیں ان کی موت برف باری سے نہیں ہوئی مردہ جانوروں کے یہ ڈھانچے خشک علاقوں سے سیلاب میں بہہ کر آگئے اور یہاں دفن ہو گئے۔
۱۰۔ ایک سائبیریا ہی نہیں شمالی امریکہ اور قطب شمالی کے بہت سارے منجمد علاقوں میں اور ہمالیہ وغیرہ کی چوٹیوں پر غیر علاقوں کے بڑے بڑے جانوروں کے ایسے ڈھانچے برآمد ہوتے رہتے ہیں جن کی عمدہ توجیہ طوفانِ نوح کے عالمگیر سیلاب ہی سے کی جا سکتی ہے۔

■■

مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل ۔ لائلپور

قصہ ایک نومسلم انگریز خاتون کے اسلام لانے کا

تحریک ریشمی رومال میں مولانا عزیر گل اسیر مالٹا کا مثالی کردار

تحریک شیخ الہندؒ کے بارہ میں بعض شرمناک غلط بیانیوں کی حقیقت

"تحریک ریشمی رومال" نامی کتاب پر تبصرہ

قسط ۔ ۳

پھر مرتب نے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۵۱ پر نمبرہ کے تحت اپنے الزام کے ثبوت کے طور پر اٹک کے رہنے والے کسی امیر احمد خان کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی روایت سے اس کی زبانی ایک طویل کہانی بیان کی ہے۔ اور اس سے استدلال کر کے لکھا ہے کہ "مولانا عزیر گل صاحب ہی وہ شخص تھے جو جاسوسی کیا کرتے تھے۔"

میں پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں اور قارئین کرام کو بھی پورا یقین دلاتا ہوں کہ یہ سب کچھ لکھا ہوا اول سے آخر تک، محض خود ساختہ افسانہ ہی افسانہ ہے۔ نہ اس نام کا کوئی شخص تھا۔ نہ وہ مرتب کتاب سے کبھی ملا ہے۔ نہ اس نے وہ باتیں کی ہیں جو بطور الزام نقل کی گئی ہیں۔ بالکل بے بنیاد کہانی گھڑنے اور فرضی نام اور فرضی حوالے دے کر اپنے خیال میں من گھڑت کہانیوں کو مستند بنا کر پیش کرنے میں واقعتہً اس مرتب کو کمال حاصل ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ جھوٹ گھڑنے، فرضی نظریات قائم کرنے اور بالکل جعلی اور غلط حوالے پیش کرنے پر کسی کو کوئی تمغہ اور انعام مل سکتا ہے تو یقیناً یہ مرتب ہی ایسے تمغوں اور انعامات کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس فن میں وہ اتنا باکمال ہے کہ کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد دیکھئے کہ ایک واقعہ کس نامناسب انداز میں پیش کر کے اپنے خیال میں اپنے الزام کے لئے ثبوت فراہم کیا ہے۔ لکھا ہے کہ: "حضرت شیخ الہندؒ کو انگریزوں سے کس قدر شدید نفرت تھی۔ لیکن حضرت شیخ کے یہی فدائی و شیدائی فنافی الشیخ صاحب ایک میم سے شادی رچاتے ہیں۔ اور وہ آج تک عیش اڑا رہے ہیں۔ الخ (صہ ۲۵۲)

قصہ نومسلم انگریز خاتون کا اسلام نے جس کی زندگی کی کایا پلٹ دی	اس کے جواب میں ہم مجبور ہیں کہ یہ پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ لکھ کر حقیقت حال واضح کر کے اس الزام کو دفع

کر دیں۔ یہ "میم صاحبہ" انگلستان کے ایک اونچے شاہی خاندان کی اور علمی ذوق رکھنے والی ایک ایسی خاتون تھی۔ جو محکمہ ریلوے کے ایک بہت بڑے درجہ کے افسر کی بیوی تھی۔ کافی عرصہ سے وہ ہندوستان میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی اس کا ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی، وہ عرصہ دراز سے دنیا کے مختلف مذاہب و ملل کا تحقیقی اور تقابلی مطالعہ کرتی رہتی تھی۔ اور تلاش حق میں لگی ہوئی تھی۔ وہ علمی ذوق رکھنے والی اور نہایت ہی ذہین و فطین تھی۔ طبیعت محققانہ اور ناقدانہ تھی۔ اور مدتوں ہر مذہب کی اساسی کتابوں کا مطالعہ پورے تدبر و تفکر کے ساتھ کرتی رہی۔ اور اسی سلسلہ میں قرآن مجید کا مطالعہ بھی ایک انگریزی ترجمہ اور مختصر تفسیری نوٹوں کی روشنی میں کیا۔ اور اس مطالعہ کے نتیجے میں اسلام کی حقانیت اس پر دلائل کیساتھ واضح ہوگئی۔ اور اسے یہ یقین حاصل ہو گیا کہ انسان کو دنیوی زندگی میں کامیابی اور حقیقی فلاح و بہبود کا راستہ اور آخرت میں نجات ابدی کا ذریعہ اسلام ہی کا نظام حیات ہے۔ اور ان الدین عند اللہ الاسلام۔ پر اس کا عقیدہ راسخ ہو گیا۔ ان دنوں میں وہ رڑکی (ضلع سہارنپور) کے قریب مشہور قصبہ منگلور میں مقیم تھی۔ اور اس قصبہ کے ایک لڑکے محمد علی کو متبنٰی بنا لیا تھا۔ اس کے سامنے جب اس کا اظہار کیا۔ کہ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں، کہاں جا کر اپنے اسلام کا اعلان و اظہار کروں۔؟ اور کس کے ہاتھ پر شرف قبول اسلام حاصل کروں۔ تو اس نے مشورہ یہ دیا کہ دار العلوم دیوبند پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک مسلّم دینی اور علمی مرکز ہے۔ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی وہاں کے شیخ الحدیث، صدر المدرسین اور ہندوستان بھر میں مشہور دینی رہنما ہیں۔ وہاں جانا چاہیئے۔ چنانچہ (غالباً ۱۹۳۲ء میں) وہ منگلور سے قبول اسلام کا ارادہ سے کر دیوبند آئی۔ اور حضرت مدنیؒ کے ہاں حاضر ہو کر اس نے کلمۂ طیبہ پڑھا اور اسلام قبول کر کے وہاں سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ قصبہ منگلور دیوبند سے قریباً ۱۴ میل دور ہے۔ مگر یہ راستہ پیدل کا ہے۔ اس زمانہ میں کسی قسم کی سواری کے لئے دونوں قصبوں کے درمیان کوئی سڑک نہیں تھی۔ دیوبند تک ریل کے ذریعہ آنا جانا ہوتا تھا۔ تو منگلور سے ۷ میل کے فاصلے پر رڑکی تک سڑک تھی اور رڑکی سے قریباً ۲۵ میل سہارنپور اور پھر سہارنپور سے قریباً ۲۲ میل دیوبند تھا۔ اس طرح فاصلہ ۵۰ میل سے زائد بنتا تھا۔ ان دنوں مولانا عزیز گل صاحب مدرسہ رحمانیہ واقع جامع مسجد رڑکی میں صدر مدرس تھے۔ اس لئے حضرت مدنیؒ نے اس نومسلم خاتون کو مشورہ دیا کہ قرآن مجید

کا مزید تحقیقی مطالعہ کرو اور جہاں کہیں مضامین قرآنی سمجھنے میں کوئی اشکال پیش آجائے تو یہاں کی بہ نسبت رڑکی آپ سے قریب ہے۔ وہاں جاکر حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے سامنے اپنا اشکال پیش کرکے اُسے حل کیا کرو۔ اور ان کی رہنمائی میں دینی کتب کا مطالعہ کرکے تحقیقی طور پر دینی مسائل کے سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ آپ کے لئے علمی طور پر مفید ثابت ہوں گے۔ یہاں دیوبند آنا جانا راستہ کی دوری کی وجہ سے مشکل ہے۔ اور ان کو میرا قائم مقام سمجھو۔ اور ان سے استفادہ کرو۔

الغرض مسلمان ہوجانے کے بعد وہ منگلور میں اپنا بنگلہ بنوا کر مقیم ہوگئی۔ خاوند یہاں سے ریٹائر ہوکر انگلینڈ چلا گیا تھا۔ مگر اسلام قبول کرنے کے باوجود اخراجات کیلئے وہ ماہوار دوسو روپیہ بھیجتا رہا۔ اس زمانہ میں ارزانی تھی۔ دوسو روپیہ اچھے گذارے کیلئے بالکل کافی رقم تھی۔ اس ماہوار آنے والی رقم سے وہاں منگلور میں اچھا گذارا کرتی رہی اور شب و روز مطالعۂ قرآن مجید اور دینی مسائل کی تحقیق میں مشغول رہا کرتی تھی۔ دوران مطالعہ میں کوئی خاص اشکال پیش آتا یا کوئی مسئلہ قابلِ تحقیق ہوتا تو حضرت مدنیؒ کے مشورہ کے مطابق بہ آسانی رڑکی جاکر مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ سے پورے طور پر علمی اطمینان حاصل کرلیا کرتی تھی۔ اس آمد و رفت میں حضرت مولانا کی اہلیہ (مرحومہ) سے بھی اچھا خاصا تعارف و تعلق پیدا ہوا۔ اور اس سے اور اسی طرح مولانا کے چھوٹے بچوں بچیوں سے بھی خوب مانوس ہوگئی اور بچے اس سے مانوس ہوگئے۔

اس زمانہ میں مولانا کے یہ بچے اس کو "مدر" کہا کرتے تھے۔ چھوٹے بچے زبیر کو جسکی عمر قریباً پانچ سال تھی بارہا وہ رڑکی سے اپنے ساتھ منگلور لے جاتی اور یہ بچہ اپنے گھر کی طرح دو دو تین تین راتیں وہاں ہنسی خوشی گذارتا۔ سب چھوٹے بڑے اہل خانہ اس کو "مدر" کہا کرتے تھے۔ اور وہ ان سب کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پیش آیا کرتی تھی۔ اور وہ مولانا عزیر گل صاحب کے علمی اور عملی کمالات و فضائل کی خوب معتقد و معترف ہوگئی تھی۔ پورے خاندان کے ساتھ آمد و رفت، محبت و خلوص اور ارسالِ ہدایا و تحائف کا یہ سلسلہ دو تین سال تک ممتد رہا۔ غالباً رجب ۱۳۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت مولانا کی اہلیہ مرحومہ بچوں کے ساتھ رڑکی سے دیوبند اپنے گھر آئی ہوئی تھیں۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدرسہ رحمانیہ کے ایک کام کے سلسلے میں راندیر تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کرچکا ہوں میں مولانا کے مکان کے باہر مردانہ حصہ میں دو اور عزیز رشتہ داروں کے ساتھ دوران طالب العلمی میں مقیم تھا۔ اور حضرت مولانا نافع صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کر رہا تھا۔ مولانا کی اہلیہ مرحومہ نے مجھے بچوں کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ پرسوں منگلور سے مدر صاحبہ یہاں دیوبند ہمارے گھر آنے والی

ہے۔ اس نے اس کی اطلاع دی ہے۔ وہ بہت زیادہ صفائی پسند طبیعت رکھتی ہے۔ ہمارے مکان کا زنانہ حصہ ایسا ہے کہ عرصہ دراز سے اسکی سفیدی بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے آج میں والدہ کے گھر چلی جاتی ہوں۔ گھر کا سامان ایک طرف کر دیا ہے آپ سفیدی کرنے والے کو بلا کر مکان کی خوب اچھی طرح صفائی کرا دیں۔ تاکہ جب مُدّر آجائے تو مکان صاف ستھرا ہو۔ اور صفائی دیکھ کر وہ خوش ہو۔ میں سفیدی کرنے والے کی تلاش میں تھا کہ دوپہر کے وقت معلوم ہوا کہ والدہ کے گھر میں مولانا کی اہلیہ محترمہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ بڑے بچے عبد الرؤف نے روتے ہوئے آکر اپنے عم محترم حضرت مولانا نافع کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی۔ مولانا عزیزگل صاحب کو رانذیر تار دے کر اس سانحہ کی خبر کر دی۔ اسی روز تجہیز و تدفین ہوئی۔ مولانا رانذیر سے تیسرے روز پہنچ گئے۔ گھر اجڑ گیا۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے رہ گئے مولانا نے اس عظیم صدمہ کو نہایت صبر و استقامت کیساتھ برداشت کیا۔ اتفاق کی بات اس حادثہ کے چند روز بعد حضرت مدنی کی اہلیہ محترمہ جناب مولانا اسعد میاں مدظلہٗ کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہوا۔ رجب اور شعبان کے دو مہینے گذر جانے کے بعد مولانا مدظلہٗ دیوبند میں مقیم تھے کہ منگلور سے مُدّر کا خط آپ کے نام دیوبند آیا جس کا مضمون یہ تھا:

"آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات کے حادثہ کے بعد آپ کا گھر اجڑ گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے رہ گئے ہیں۔ جن کا سنبھالنے والا گھر میں کوئی نہیں۔ مجبوراً آپ کو گھر آباد کرنے اور بچوں کی خاطر دوسرا نکاح کہیں نہ کہیں کرنا ہوگا۔ اور ظاہر ہے جو بیوی بھی آئے گی وہ ان بچوں کی سوتیلی ماں ہوگی۔ اور سوتیلی ماں کی روش عموماً بچوں کے بارے میں فطری طور پر اچھی نہیں ہوتی۔ اور پھر اگر اس کی اولاد بھی ہوئی تو ان بچوں کیلئے اور مشکلیں پیش آئیں گی۔ میں اس وقت اسلام قبول کرنے کی وجہ سے آزاد ہوں۔ کسی کے نکاح میں نہیں۔ میری عمر قریباً پچاس برس ہے۔ اس لئے مجھے ویسے نکاح کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ لیکن اب مجھے یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ کہ ان بچوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر جن کو اب تک میں نے اپنے بچوں کی طرح سمجھا تھا۔ آپ کے نکاح میں آجاؤں اور آپ کے گھر کو آباد کروں۔ مجھے نہ تو اولاد کی خواہش ہے اور نہ اب میری عمر اولاد پیدا ہونے کی ہے۔ اس لئے میں ان بچوں کیلئے کبھی بھی سوتیلی ماں نہیں بنوں گی۔ بلکہ ان کی پرورش ان کی اپنی ماں کیطرح کروں گی۔ نیز میرا نظریہ یہ بھی ہے کہ میں آپ جیسے شخص کے سایہ میں آجاؤں۔ اس لئے آپ نکاح کے لئے میری یہ درخواست ضرور قبول کیجئے ــــ"

مولانا مدظلہ نے اس خط کے جواب میں انکار لکھا اور انکار کی متعدد وجوہ میں سے چند اہم باتیں یہ لکھیں کہ میرے ہاں پردہ کی بہت زیادہ پابندی ہے اور آپ عمر بھر بے پردہ رہنے کی عادی رہی ہیں آپ سے اتنی شدید پابندی نہیں ہو سکے گی۔ میرا اپنا ذاتی مملوکہ مکان بھی نہیں۔ مدرسہ کے ایک تنگ مکان میں دن گذار رہا ہوں۔ آپ نے اب تک بڑی بڑی کوٹھیوں اور باغوں، پارکوں میں ساری زندگی گذاری ہے۔ ایسے مختصر سے مکان میں بود و باش کس طرح کر سکو گی۔ نیز میری آمدنی بالکل محدود ہے، مدرسہ سے معمولی تنخواہ ملتی ہے جس سے آپ کے معیار کے مطابق گذارا بالکل نہیں ہو سکتا۔ انہی وجوہ کی بنا پر میں نکاح کی یہ درخواست منظور نہیں کر سکتا۔"

—— اس خط کے جواب میں اس نے پھر منگلور سے ایک مفصل خط لکھ کر بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

"آپ نے اپنے خط میں جتنی بھی شرطیں لکھی ہیں وہ سب مجھے منظور ہیں۔ نکاح سے پہلے پردہ کروں گی اور عمر بھر شریعتِ اسلامیہ کے مطابق پورا پردہ کرتی رہوں گی۔ اس بارے میں آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ذرہ برابر خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ میں ہر طرح کے مکان میں رہ سکتی ہوں۔ اور ہر طرح کا گذارا کر سکتی ہوں۔ مجھے خوراک پوشاک، یا کسی اچھے معیارِ زندگی کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ کے بچوں کی صحیح تربیت کروں۔ اور ازدواجی تعلقات کی بنا پر آپ کا سایۂ شفقت و رحمت میرے سر پر ہو۔ اور میں اس سعادت کے حصول کے لئے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں ——"

مولانا نے اس خط کے جواب میں مزید اعذار لکھے۔ اور اس معاملہ کو مختلف طریقوں سے ٹالنا چاہا۔ اس کے بعد کافی دنوں تک مکاتبت ہوتی رہی۔ اس کا اصرار برابر جاری تھا۔ اور مولانا مدظلہ کوئی عذر لکھ کر یا کوئی شرط لگا کر ٹالتے رہے۔ اس کا آخری خط جو اس سلسلہ میں مولانا کے نام آیا بہت زوردار، مؤثر اور فصیح و بلیغ تھا۔ اس میں چند خاص مؤثر جملے اس مضمون کے تھے:

"اچھا، میں نے تو آپ کی عائد کردہ تمام شرطیں قبول کیں۔ جو مانع آپ نے بتایا میں نے اُسے دور کر دیا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ آپ کے پاس نکاح نہ کرنے کے لئے عذر کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ اس کے باوجود اگر آپ میری اس درخواست کو قبول نہیں فرماتے تو قیامت کے روز اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس بات پر گرفت کرے کہ تو نے اسلام قبول کرنے کے بعد زندگی کے دن کسی خاوند کے سایہ میں رہ کر کیوں نہیں گذارے

اور اس لباس کے بغیر کیوں رہی۔ تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی طرف سے معذرت پیش کروں گی اور عرض کر دوں گی کہ میں نے تو اپنے لئے ایک بہترین شخص کو منتخب کر کے اس سے نکاح کرنے کی ہر طرح کوشش کی تھی۔ مگر بلا وجہ اس نے انکار کیا، اور مجھے اپنے سایہ میں لے آنا قبول نہیں کیا۔ تو آپ ابھی سوچ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کیا عذر پیش کر سکیں گے۔"

یہ خط و کتابت انگریزی میں ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا مدظلہٗ خود تو انگریزی لکھ اور پڑھ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ان کے مخلص دوست اور خاص معتقد مولانا طفیل احمد صاحب بی اے (جو آجکل کراچی میں مقیم ہیں اور بہت سے دینی ادارے قائم کئے ہیں اور صاحب ارشاد بزرگ ہیں۔ اور ہزاروں ان سے بیعت کر کے روحانی استفادہ کر رہے ہیں۔) منگلور سے آنے والے خطوط کا مضمون سنا دیتے تھے اور آپ کیطرف سے پھر جواب میں انگریزی خطوط لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان سارے خطوط کے مضامین اور اور موثر انداز میں اصرار ان کے سامنے تھا۔ اس لئے اس آخری خط کے بعد اس نے بھی اصرار کے ساتھ مولانا مدظلہٗ کو مشورہ دیا کہ ہماری رائے بھی یہی ہے کہ آپ یہ درخواست ضرور قبول کیجئے۔ اور نکاح کر لیجئے چند اور دوستوں مخلصوں اور خیر خواہوں کو ان تفصیلات کا پتہ چلا تو انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا بلکہ خاص طور سے محرک اور باعث بنے۔ چنانچہ آخر کار رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کے آخری ایام میں ان دوستوں کو لے کر آپ منگلور تشریف لے گئے۔ مدثر نے پہلے تو باقاعدہ پردہ کیا۔ اور پھر اس کے بعد مسنون طریقہ سے نکاح پڑھا گیا۔ اور نکاح ہو جانے کے بعد اس نے منگلور کی وہ کوٹھی اور باغیچہ اس متبنیٰ لڑکے محمد علی کو دیدیا اور وہاں سے صرف اپنا عظیم کتب خانہ بیل گاڑی میں لاد کر منگلور سے رڑکی لے آئی۔ اور یہاں آکر مدرسہ کے اس بالکل چھوٹے سے مکان میں رہائش اختیار کی۔ اس نکاح کے بعد انگلینڈ میں مقیم سابق خاوند نے دوسو روپیہ ماہوار کی رقم بند کر دی۔ اور اس کے بعد مولانا کی محدود اور معمولی سی آمدنی پر تنگی ترشی کے ساتھ گذارا کرتی رہی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس مومنہ قانتہ نے ہر پہلو سے پورا مجاہدہ کیا اور مومنات قانتات کیطرح اپنی گھریلو زندگی میں ہر طرح کی تنگی ترشی بہ صد خوشی برداشت کی۔ اور کبھی بھی کلمہ شکایت زبان پر نہیں لائی۔ اس دوران میں اس نے ان بچوں کو خاص اپنے بچوں کیطرح سمجھ کر ان کی تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے وہ ان کے لئے حقیقی ماں کی طرح ثابت ہوئی۔ چونکہ وہ وسیع علمی مطالعہ والی با ذوق خاتون تھی۔ اس لئے شب و روز علمی مشاغل میں مصروف رہا کرتی تھی۔ چنانچہ انگریزی زبان میں اسلام اور عیسائیت کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی جو

ندوۃ المصنفین دہلی کے مشہور علمی ادارہ کیطرف سے شائع ہوئی اور مدتوں تک رسالہ "برہان" دہلی میں اس کتاب کا اشتہار شائع ہوتا رہا۔ نیز انگریزی زبان میں محققانہ انداز سے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تفسیری نوٹ بھی لکھے۔

اس ترجمہ و تفسیر کے دوران حضرت مولانا کے ساتھ علمی مذاکرہ رہتا تھا۔ بحث و تحقیق ہوتی تھی۔ اور اس کے بعد نتیجہ میں جو آخری اور قطعی رائے قائم ہو جاتی اسکی روشنی میں قرآنِ مجید کے مطالب صاف و سلیس اور فصیح و بلیغ انگریزی میں لکھ لیتی تھی۔ وہ تفسیر مکمل ہو گئی تھی۔ اور اس زمانہ میں بمبئی کی ایک طابع و ناشر کمپنی کو طباعت و اشاعت کے لئے حوالہ کر دی تھی۔

نکاح کا یہ واقعہ غالباً نومبر ۱۹۳۶ء کا ہے۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۴۵ء تک مولانا کا رڑکی میں قیام رہا۔ آمدنی کم تھی، اخراجات بڑھ رہے تھے۔ ۱۹۳۹ء کے بعد جنگِ عظیم دوم کی وجہ سے اشیائے ضرورت کے نرخ بھی زیادہ ہو گئے تھے۔ اور معمولی آمدنی پہ گذارا مشکل ہو رہا تھا۔ آپ نے سوختنی لکڑیوں کی تجارت بھی کی مگر اس میں بھی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ آخر انہی کے مشورہ سے فیصلہ ہوا کہ رڑکی کی بجائے سنخاکوٹ منڈی کے پاس اپنی آبائی زمین میں مکان بنا کر رہائش اختیار کی جائے۔ وہاں سے آکر وقت وفات اکتوبر ۱۹۶۶ء تک وہاں اس چھوٹی سی بستی میں اس نے زندگی کے یہ دن گذارے ہیں۔ وہاں وہ دیہاتی عورتوں کا فی سبیل اللہ مفت علاج ہومیو پیتھک طریقہ سے کرتی رہی اور ساتھ ہی غریب دیہاتیوں کی ہر طرح کی امداد و اعانت اور خبر گیری کیا کرتی تھی۔ کسی معاملہ میں اور کسی موقع پر بھی اس نے "میم صاحبہ" ہونے کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صدق دل کے ساتھ اس اسلام قبول کرنے نے اسکی پوری زندگی اور سیرت و اخلاق میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا تھا۔ نکاح کے وقت سے لے کر وقتِ وفات تک پردہ اس قدر اہتمام کے ساتھ کرتی رہی۔ کہ قدیم الاسلام شرفاء کے خاندانوں اور بڑے بڑے دیندار گھرانوں میں بھی عورتوں کا ایسا پردہ نہ ہو گا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ مولانا رڑکی سے دیوبند تشریف لائے تھے وہ بھی ساتھ آئی تھیں۔ جب دونوں دیوبند سے واپس رڑکی جا رہے تھے تو مولانا مدظلہ کے ایک خادم و کفش بردار کی حیثیت سے میں بھی اسٹیشن تک گیا تھا۔ اسٹیشن پہ میں نے دیکھا کہ از سر تا قدم نہایت ہی ساتر برقعے میں مستور پوری پابندی کے ساتھ پردہ کئے ہوئے ایک گوشہ میں بیٹھی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ آیا۔ کہ دیکھئے خداوند تعالیٰ کی قدرتِ عظیم کا کرشمہ کہ یہ وہ عورت ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل کس آزادی اور بے پردگی کے ساتھ ہندوستان بھر کے اسٹیشنوں پر پھری ہو گی۔ اور اب ایمان کی

دولت نصیب ہو جانے کے بعد رضائے الٰہی کی خاطر شرعی پابندیوں کو اس نے کس جذبۂ ایمانی کے ساتھ بصد خوشی قبول کیا ہے۔ اور اس وقت میرے دماغ میں حدیث ہرقل کا یہ جملہ فوراً تازہ ہوا۔ وکذالک الایمان اذا خالطت بشاشته القلوب۔ خدا و رسول کے احکام کے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کے ایسے ایسے نمونے پیش کرنا حقیقی اسلام ہے۔ اور اس اللہ کی بندی نے قبولِ اسلام کے بعد احکامِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے اور بلا چون و چرا اطاعت کے ایسے ہی نمونے پیش کئے تھے۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء میں طویل بیماری کے بعد ۸۰ برس سے زائد عمر پاکر اُسی گاؤں میں اس کا انتقال ہوا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور وہاں ایک ٹیلہ پہ واقع قدیم قبرستان میں درختوں کے جھنڈ میں اس کی تدفین عمل میں آئی —— کہاں پیدا ہوئی۔ کہاں پرورش پائی۔ کہاں کہاں رہی بسی۔ اور آخر جاکر کس خاک میں مدفون ہوئی۔ وفات سے قبل تین چار سال متواتر شدید بیمار رہی۔ اس بیماری کے دوران اس نے صبر و استقامت اور اعتماد علی اللہ کا ایسا مظاہرہ کیا کہ پشتینی مسلمانوں کو ایسے مظاہر صبر و تقویٰ پیش کرنے کی توفیق بہت کم ملتی ہے۔ اس تیس ۳۰ سال کے عرصہ میں اس نے اپنی زندگی کا معاشرتی اور معاشی معیار حضرت مولانا مدظلہ کی آمدنی کی مناسبت سے بہت معمولی رکھا تھا۔ اور "میم صاحبہ" والی کوئی بات اس میں نہیں تھی۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ سلیقہ شعار تھی۔ اور ہر معاملہ میں سلیقہ مندی اختیار کرنے کی وجہ سے معمولی آمدنی ہوتے ہوئے بھی عزت و آبرو قائم رہی اور کسی نے کوئی کمی محسوس نہیں کی۔

"میم صاحبہ کے ساتھ شادی" والی بات میں نے پوری تفصیل کے ساتھ اس لئے ذکر کر دی تاکہ حقیقتِ حال کی پوری توضیح و تشریح ہو جائے۔ ع

ضرور بود حکایت دراز تر گفتیم

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ کو انگریزوں سے انتہائی نفرت تھی۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اس نفرت و عداوت کی بنیاد کوئی نسلی یا وطنی عصبیت نہیں تھی۔ بلکہ صرف اُن کا کفر، نصرانیت اور خدا و رسولؐ اور ان کے احکام و قوانین سے اُن انگریزوں کا برگشتہ ہونا ہی واحد وجہ نفرت و عداوت تھی۔ اور جب عداوت و نفرت اور تبرّی کی بنیاد کفر و طغیان ہو تو صدقِ دل کے ساتھ اسلام قبول کرنے اور احکام خدا اور رسول کو بہ دل و جان تسلیم کر کے ان پر عمل کرنے کے بعد نفرت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح ایمان لانے والے اور اسلام قبول کرنے والے دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرح محبوب اور آنکھوں کا تارا بن سکتے ہیں۔ مولانا مدظلہ کی یہ اہلیہ مرحومہ اگرچہ نسلاً انگریز تھی، انگلینڈ میں پیدا ہوئی تھی اور وہاں اس نے پرورش پائی تھی، لیکن جب اس نے علی بصیرۃ مطالعہ اور تحقیق کے بعد اسلام قبول کیا —— اور ایسا

کہ خاندانی مسلمانوں میں بھی اس جیسی اطاعت احکام خدا و رسولؐ اور صحیح فرمانبرداری کی مثال نہیں ملتی۔ تو الاسلام یھدم ما کان قبلہ کے مطابق نفرت و حقارت اور بغض و عداوت کی ساری بنیاد ختم ہوگئی۔ اور اب ارشادِ خداوندی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ اور ارشادِ نبوی ان اولیاءی اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کانوا وَ اینما کانوا۔ کے مطابق وہ مسلمانوں کی برادری اور ان کی ولایت و محبت کے دائرہ میں داخل ہوگئی تھی۔ انگریز ہونے کی نسلی حیثیت اور انگلینڈ کی پیدائش کی وطنی حیثیت اس ایمان کی وجہ سے اب باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اس کے ساتھ اس کی خواہش بلکہ شدید اصرار کی بنا پر سنت نبویؐ کے مطابق نکاح کرنا صرف "شادی رچانا" نہیں تھا۔ بلکہ سنتِ نبویؐ کی پیروی اور موجب ہزار اجر و ثواب تھا۔ اور کسی پہلو سے یہ اعتراض کی بات نہیں۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسئلہ کو ذرا اچھی طرح واضح کرنے کے لئے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی ایک مثال بھی پیش کر دوں۔ اور اس مثال پیش کرنے سے مقصد صرف یہ ہے۔ کہ بڑے سے بڑے دشمنِ اسلام اور مبغوض قوم کی کوئی خاتون اگر اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جائے تو اس کے ساتھ نکاح کرنا قابلِ اعتراض ہرگز نہیں۔ اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نکاح کرنے والے نے اس دشمن اور مبغوض قوم کی عداوت کو دوستی سے بدل دیا اور وہ کافر قوم اب مبغوض اور قابلِ نفرت نہ رہی۔ قرآنِ مجید میں یہودیوں کے بارے میں صاف ارشاد ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا۔ اور پھر یہودیوں کی پوری تاریخ بھی اس پر شاہد ہے۔ کہ مدینہ منورہ اور خیبر کے یہودی اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن اور بدخواہ تھے۔ اور وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیسی مکروہ ترین سازشیں کرتے رہے۔ ان کے مقابلہ میں جہاد کر کے بہ زورِ شمشیر اُن کو مغلوب و مقہور کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن جب اُس مغضوب و مبغوض دشمنِ اسلام و مسلمین قوم کے ایک بڑے سردار کی بیٹی اور دوسرے بڑے سردار کی بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانوں میں آکر شامل ہوئی

۱؎ مرحومہ کے قریبی عزیز مولانا عبید اللہ کاکاخیل مدرس مدرسہ نیو ٹاؤن کراچی جو مولانا عزیز گل مدظلہ کے بھتیجے اور مولانا عبد الحق صاحب نافع مرحوم کے صاحبزادہ ہیں۔ انھوں نے اپنی چچی صاحبہ مرحومہ کی زبانی اسلام لانے کی کہانی ان الفاظ میں قلمبند فرمائی جس سے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے بارہ میں مرحومہ کے تاثرات بھی معلوم ہو جاتے ہیں:۔
چچی صاحبہ مرحومہ نے اپنی حیات میں مجھے اپنے قبولِ اسلام اور اس کے بعد کی ازدواجی زندگی

اور اسلام لے آئی۔ تو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی دینی مصلحتوں اور حکمتوں کے پیش نظر حضرت صفیہؓ کے ساتھ نکاح کر کے اس کو ازواج مطہرات کے مقدس گروہ میں شامل فرمایا۔ اس کی انتہائی حوصلہ افزائی اور قدر افزائی فرمائی۔ مودت و رحمت کے ساتھ اس سے

کا قصہ زبانی سنایا تھا، اس قصے کے جو اجزاء مجھے اپنے خیال کے مطابق یقینی طور پہ یاد ہیں سپرد قلم کرتا ہوں۔

چچی صاحبہ نے جنکو ہم سب "مدر" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ فرمایا کہ مجھے بچپن کے زمانہ ہی سے موجودہ عیسائی مذہب کی حقانیت میں شبہ ہونے لگا تھا۔ بائیبل پڑھ کر طرح طرح کے اعتراضات میرے دل میں پیدا ہوتے تھے۔ جو لبسا اوقات ایک عجیب قسم کی بے چینی اور بے اطمینانی کا بھی باعث بن جاتے تھے، لیکن میں جب اپنی والدہ سے اس قسم کے شکوک و شبہات کا ذکر کرتی، تو وہ ڈرا دھمکا کر مجھے خاموش تو کر دیتی مگر دلیل و برہان سے کبھی اس نے مجھے مطمئن کرنے کی کوشش نہ کی اور نہ وہ مطمئن کر سکتی تھی۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی میرے اس یقین میں اضافہ ہوتا گیا کہ جس دین کو ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا برحق سماوی دین سمجھ کر قبول کئے ہوئے ہیں وہ بڑی حد تک اپنی حقانیت کھو چکا ہے۔ تحریف کے ہاتھوں سے وہ محفوظ نہیں رہ سکا اور اس مقدس وحی میں بشری اذہان کے پیدا کردہ افکار و خیالات اور خود ساختہ حکایات و بیانات کی اس قدر آمیزش ہوگئی ہے۔ کہ حق و باطل اور صدق و کذب کی تمیز ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس دین کو چھوڑنے کا فیصلہ کر کے حق کی تلاش شروع کر دی، مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل میں نے کئی ایک مذاہب کا قریب سے جائزہ لیا، بعض مذاہب میں تو ریاضت اور مجاہدات کے مراحل بھی بڑی حد تک طے کر لئے لیکن کسی بھی مذہب سے قلب کو اطمینان نصیب نہ ہوا اور حق کی تلاش بدستور جاری رہی، یہاں تک کہ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے میں نے انگریزی زبان میں مترجم قرآن مجید کا مطالعہ کیا اور پہلی بار کے مطالعہ ہی میں مجھ پر اسلام کی حقانیت منکشف ہوگئی اور میرے دل نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہی وہ آخری دین ہے، جس کو قبول کرنے کے بعد مزید تلاش و جستجو کی کوئی حاجت نہیں رہے گی۔ قرآن مجید کے بعض حقائق کو سمجھنے میں میری وہ ریاضت اور مجاہدات ممد ثابت ہوئے، جن کے مراحل میں نے بعض دوسرے مذاہب کی روشنی میں طے کئے تھے ——— قرآن مجید کے مطالعہ کے بعد اسلام کے معتقدات،

پیش آئے۔ اور نسلاً بنو اسرائیل کی یہ خاتون جو خیبر کی رہنے والی یہودیہ تھی قبول اسلام کے بعد ام المومنین بن گئی۔ اور آج ہمارے لئے شرعاً ضروری ہے کہ اس کا انتہائی احترام کریں۔ اور اس کا نام نامی عزت وتکریم کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساتھ ملا کر لیا کریں۔ اگر آج کوئی بد بخت مستشرق یہ گستاخی کر جائے۔ (نعوذ باللہ) کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو یہودیوں سے انتہائی نفرت تھی، ان سے قتال

عبادات، معاملات اور اخلاق کا اجمالی طور پر علم تو ہوا لیکن ان کی تشریح وتفصیل سمجھنے کے لئے میری طلب ابھی جاری تھی، نیز مجھے یہ اطمینان حاصل کرنے کیلئے بھی دین کے راسخ علماء کے پاس جانے کی ضرورت تھی کہ اسلام کے معتقدات اور قرآن مجید کے بعض دوسرے حقائق جسطرح میں اپنے مطالعہ سے سمجھی ہوں۔ آیا وہ علماء دین کے نزدیک صحیح بھی ہیں یا نہیں۔؟ چنانچہ اس مقصد کیلئے میں نے منگلور سے بعض مسلمانوں کے مشورہ سے دیوبند کا رخ کیا۔ دیوبند کے کسی خاص عالم یا بزرگ کا نام پہلے سے معلوم کر کے میں نہیں گئی تھی بلکہ دارالعلوم دیوبند پہنچ کر میں نے یہ دریافت کیا کہ یہاں کے سب سے بڑے عالم دین کون ہیں جن کے پاس جا کر میں دین کے کچھ معلومات حاصل کر سکوں۔؟ اتفاق سے جس شخص سے میں نے یہ دریافت کیا تھا وہ حضرت میاں اصغر حسین صاحب مرحوم کے عقیدتمند یا مرید تھے، وہ مجھے علماء کی ایک مجلس میں لے گئے جہاں حضرت میاں صاحب مرحوم اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ میری جواں بیٹی بھی تھی۔ اس شخص نے حضرت میاں صاحب کیطرف اشارہ کیا۔ کہ آپ ان کے پاس چلی جائیں یہ بہت بڑے عالم اور بزرگ ہیں۔

میری نگاہ اچانک شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی مرحوم پر پڑی جو اس وقت بالکل ایک غیر نمایاں جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس وقت تک مجھے ان کے کچھ زیادہ حالات معلوم نہ تھے۔ صرف ان کا نام ہی سنا تھا۔ لیکن تمام حاضرین مجلس کے مقابلہ میں ان کی عظمت اور شان میرے دل میں زیادہ جاگزیں ہوتی، شاید میرے قبل از اسلام کے مجاہدات کو بھی اس ادراک میں کچھ دخل ہو، ویسے مجھے جس چیز نے اول دہلہ میں زیادہ متاثر کیا وہ حضرت مدنی مرحوم کی ایک خاص ادا تھی۔ اور وہ یہ کہ جب ان علماء کرام نے ہم دونوں (ماں، بیٹی) کو بے پردہ دیکھا تو کسی نے منہ پہ چادر ڈالی، کسی نے منہ دوسری طرف موڑا اور کسی نے اعراض کا کچھ اور طریقہ اختیار کیا، لیکن حضرت مدنی تھے کہ انہوں نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی صرف اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ اور نہایت وقار اور سکون کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ ہمیں اس وقت کچھ یوں محسوس ہوا کہ اس ایک شخص کے علاوہ

کیا۔ ان کو قتل کیا۔ ان کو مغضوب علیھم قرار دیا۔ تو پھر ایک یہودیہ عورت سے نکاح کیوں کیا۔" تو کیا یہ اس کا فضول بکواس اور تمام اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر کے بیہودہ اعتراض نہ ہوگا۔ یقیناً یہ اعتراض بالکل فضول، سراسر لغو اور اسلام کی تعلیمات سے بالکل جہالت، یا پھر خالص بغض و عناد اور کینہ و حسد پر مبنی ہوگا۔ اسلام قبول کرنے اور ازواج مطہرات کے زمرہ میں شامل ہوجانے کے بعد حضرت صفیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کیا قدر و منزلت تھی۔ اس کی جھلک اُن روایات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو کتب احادیث اور

بقیہ حضرات ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر انکو ہمارے مسلمان ہونے کا علم نہیں تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے بھی سلوک احترام کا ہونا چاہیئے تھا۔ دین کے احکام سے تفصیلی واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ہم یہ نہ سمجھ سکیں کہ ان میں سے ہر شخص نے غیر محرم اور بے پردہ عورتوں سے نگاہ بچانے کیلئے اپنا اپنا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بہر حال دل یہی کہہ رہا تھا کہ ہمیں اسی بزرگ (حضرت مدنیؒ) کی خدمت میں ہی حاضر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہم دونوں ان کے پاس جاکر کھڑی ہوگئیں۔ حضرت نے جو کہ غضِّ بصر کئے ہوئے تھے، دریافت فرمایا کہ آپ اسلام قبول کرنے کے لیئے آئی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، اسلام تو میں قبول کر چکی ہوں، میں اپنے اسلام کا امتحان دینے کے لیئے آئی ہوں کہ آیا میں نے کس حد تک قرآن مجید کو صحیح سمجھا ہے؟ نیز قرآنِ پاک کے جو مجمل احکام تفسیر و تشریح کے محتاج ہیں ان کے معلومات حاصل کرنا بھی میرا مقصد ہے۔

حضرت نے مجھ سے میرے اسلامی معتقدات کے بارے میں چند سوالات کیئے اور میں نے ان کے جوابات دیئے حضرت نے تواضعاً فرمایا کہ آپ مجھ سے اچھی مسلمان ہیں۔ پھر حضرت نے کلمہ شہادت کی تلقین ایک ایک لفظ کر کے عربی زبان میں کرادی، اختصار کے ساتھ دین کے کچھ احکام اور حقائق بیان فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا جنّت جانے کیلئے آپ سے بیعت مفید ثابت ہوگی؟ ہنسنے لگے اور فرمایا کہ "شاید" پھر میں نے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے اپنی چادر پکڑا کر بیعت کرادی۔ اس وقت میرے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ اور حضرت مدنیؒ کی عقیدت کچھ اس طرح دل میں جاگزیں ہوئی کہ میری نگاہوں میں اس وقت سے انسانوں میں ان سے عظیم تر انسان کوئی اور نہ تھا۔

اتنے میں کھانے کا وقت ہوا، حضرت نے فرمایا کہ آپ دونوں ہماری مہمان ہیں۔ لیکن جس دین کو آپ قبول کر چکی ہیں اس کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ اختلاط جائز

کتب سیر و تواریخ میں اس کے حالات کے ضمن میں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے اپنی مشہور کتاب الاصابہ میں طبقات ابن سعد کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ حضرت صفیہؓ جب خیبر سے مدینہ منورہ تشریف لائیں اور اس کو حضرت حارثہؓ بن النعمان کے گھر ٹھہرایا گیا اور انصار مدینہ کی عورتوں نے اس کے حسن و جمال کا شہرہ سنا۔ تو وہ اس کا حسن و جمال دیکھنے آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نقاب اوڑھ کر اس کو دیکھنے کیلئے وہاں تشریف لے آئیں۔ جب دیکھ کر باہر نکلی۔ تو جناب

نہیں ہے۔ اس لئے ہم اپنی مجلس میں آپ کو شریک کرنے سے معذور ہیں۔ اس کو آپ توہین نہ سمجھئے۔ بلکہ یہ دین کا حکم ہے۔ جس کے قبول کرنے میں ہم سب کے دین و دنیا کا فائدہ ہے۔ یہ سنکر حضرت مدنیؒ کی عظمت اور دل میں بڑھ گئی کہ یہ کس درجے کے حساس اور باریک بین بزرگ ہیں۔ دین کا حکم بتلانے میں حکمت کے کن دقیق اصولوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ دین کا حکم سمجھایا بلکہ ہماری نفسیات کا بھی کتنا خیال رکھا! الغرض ان کی ایک ایک ادا سے اخلاق اسلامی کا وہ مجسم نمونہ ثابت ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اس بات کی آپ فکر نہ کیجئے کہ ہم مجلس سے علیحدگی کو ناگوار محسوس کریں گی۔ اگر ہمیں اسلام کا یہ حکم نہ بھی بتلایا جاتا تو طبعاً بھی ہمیں یہ گوارا نہ تھا کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہی تھال میں سب ہاتھ ڈال کر اکٹھے کھانا کھائیں۔ ہمارا ابھی وہ تزکیہ نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ہی توکل کا وہ مقام ہمیں حاصل ہے کہ طبی ہدایات سے چشم پوشی کر کے جراثیم کے متعدی ہو جانے سے بالکل بے خوف و خطر بن جائیں۔ دین کے حکم ہونے کے علاوہ ہماری طبیعت کا تقاضی بھی یہی ہے کہ ہم الگ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ہمارے کھانے کا علیحدہ انتظام ہوا۔

حضرت مدنیؒ نے میرے مستقل تعلیم دین کا یہ انتظام فرمایا کہ تمہارے عم محترم (مولانا عزیز گل مدظلہ) کو جو منگلور سے چند میل کے فاصلہ پر رڑکی کے ایک مدرسہ میں صدر مدرس تھے اس بات پر مکلف کیا کہ وہ ہفتہ میں ایک دوبار مجھے دین کے احکام سمجھایا کریں، چنانچہ میں ان کے مکان پر حاضری دیا کرتی تھی، اور ان کے بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھ کر ان سے درس لیا کرتی تھی۔

ہماری تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کہ تمہاری چچی کا مختصر سی بیماری (غالباً ولادت کی بیماری) کے بعد انتقال ہوا۔ اس حادثہ سے میری تعلیم کا متاثر ہونا بھی ایک طبعی امر تھا۔

کچھ عرصہ ایسا ہی گذرا اس کے بعد حضرت مدنیؒ نے مجھے بلا کر سمجھایا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کا نکاح سابق شوہر سے، جو اپنے کفر پر اڑا ہوا ہے، ٹوٹ چکا ہے۔ میں آپ کے دین کی بہتری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ اور اس کو خطاب کر کے فرمایا: کیف رأیتہٖ یا عائشۃ۔ (اے عائشہ تو نے اُسے دیکھ کر کیسے پایا۔) اس نے فرمایا: رأیت یہودیۃ۔ (میں نے یہودیہ کو دیکھ لیا) آپ نے فرمایا: یا عائشہ لاتقولی ذلک فانھا اَسلمت وَحسن اِسلامھا۔ (ایسی بات مت کہو۔ اس لئے کہ وہ یقیناً مسلمان ہو چکی ہے۔ اور بہت اچھی طرح اسلام لے آئی ہے۔) ___ (الاصابہ ج ۴ ص ۳۴۸ زرقانی شرح المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۲۵۹)

دوسرا واقعہ اسی ابن سعدؒ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ ایک سفر میں حضرت صفیہؓ کی سواری کا اونٹ بیمار ہو کر سواری کے قابل نہیں رہا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں ضرورت سے

اس میں سمجھتا ہوں کہ آپ ازدواجی زندگی میں آجائیں اور جس شخص کو میں نے آپ کا مربّی مقرر کیا ہے اگر اس کے ساتھ آپ کا نکاح ہو جائے تو یہ آپ کے لئے بہت ہی باعث سعادت ہوگا۔ جس دین کی تعلیمات کے حصول کیلئے آپ پریشان و سرگرداں ہیں جس کی خاطر آپ نے اپنی دنیا کی ہر دولت اور ہر راحت کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس تعلیم کا ایک مستقل انتظام ہو جائے گا۔

الغرض میرے شیخ و مرشد حضرت مدنیؒ مرحوم نے اس نکاح کی اہمیّت کو میرے دل میں کچھ اس طرح اتارا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میری اخروی سعادت کے لئے یہی ایک راستہ ہے۔ کہ میں اپنی آرام و آسائش کی زندگی، اپنی دولت، دنیوی وجاہت، خویش و اقارب اور ملک و وطن کو خیرباد کہہ کر اس غریب اللسان کے ساتھ اپنی زندگی وابستہ کر دوں جو مجھے دنیا کی راحت تو نہیں پہنچا سکے گا۔ لیکن علم دین اور خشیت الٰہی کی دولت سے مجھے ضرور مالامال کر دے گا۔

میں نے حضرت مدنیؒ سے عرض کیا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ میں اپنے بچوں سے جو ملک گئے ہوئے ہیں اجازت طلب کر لوں۔ حضرت نے اسکو تسلیم کر لیا۔ چنانچہ میں نے اپنے بچّوں کو صورت حال سے آگاہ کر کے ان سے اجازت طلب کی۔ گو ان کی اجازت پر اصل مسئلے کا توقف کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ تاہم میری خواہش یہ تھی کہ ان کی اجازت ہونے کے بعد یہ کام ہو۔ تو زیادہ بہتر ہوگا۔

اس دوران حضرت مدنیؒ نے تمہارے تایا (مولانا عزیر گل مدظلہٗ) کو بھی آمادہ کرنے کی کوشش کی اور جب وہ آمادہ ہو گئے تو حضرت مدنیؒ نے مجھے پیغام بھیجا کہ وہ آمادہ ہیں اور آپ بھی آمادہ ہیں۔ بچوں کے جواب میں تاخیر ہو گئی اور ویسے ان کے جواب پر کوئی توقف بھی نہیں ہے یہ محض

زائد سواری کے اونٹ موجود تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضؓ سے فرمایا کہ صفیہ رضؓ کا اونٹ بیمار ہو کر سواری کے قابل نہیں رہا۔ اگر آپ اپنے ہاں سے ایک اونٹ اسے دیدیں تو بہتر ہوگا۔ اس نے جواب میں کہا: انا اعطی تلك اليهودية۔ (کیا میں اس یہودیہ کو دوں) حضرت صفیہؓ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان الفاظ کے استعمال کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض ہوگئے اور آپ نے ذوالحجہ اور محرم دو ماہ یا تین ماہ تک اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔ حضرت زینب رضؓ فرماتی ہیں: حتیٰ یئست منہ (یہاں تک کہ میں آپ کی تشریف آوری سے ناامید ہوگئی)۔

(الاصابہ ج ۴ ص ۳۴۳ و زرقانی جلد ۳ ص ۲۵۹)

ترمذی شریف میں حضرت صفیہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر

تطییب خاطر کیلئے ہے۔ ہم مجلس نکاح کا انعقاد فلاں تاریخ کو کریں گے۔ آپ کو قبول کرنا ہوگا۔ اور یہ تاریخ بہت ہی قریب کی تاریخ تھی۔

یہ حکمنامہ جب وصول ہوا تو میرے لئے مزید کلام کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ مقررہ تاریخ کو نکاح ہوگیا۔ نکاح ہو جانے کے چند روز بعد بچوں کا خط آیا کہ ہماری طرف سے بالکل اجازت نہیں ہے۔ اس میں بھی قدرت کیطرف سے بہتری تھی۔ اگر ان کے جواب کا بہرحال انتظار ہی کیا جاتا اور جواب پھر نفی میں ملتا۔ تو حضرت مدنیؒ کے حکم پر عمل کرنے میں جو خود میری ہی سعادت کا باعث تھا۔ مزید مجاہدہ کی ضرورت پیش آتی۔

یہ تمام تفصیلات میں نے تائی صاحبہ سے خود سنی ہیں۔ غالباً حضرت مدنیؒ قدس سرہ کی ترغیب و تحریض کے بعد جب وہ نکاح کیلئے آمادہ ہوئی ہوں گی تو انہوں نے یہ خط و کتابت کی ہوگی جس کا تذکرہ حضرت مفتی صاحب نے کیا ہے۔

یہ چونکہ میری پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس لئے اس کی بعض تفصیلات معلوم کرنے میں میں بھی اپنے اساتذہ کی معلومات کا محتاج ہوں۔ استاذ محترم حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی تحریر میں چونکہ یہ بات نہیں آئی تھی کہ اس نکاح کے اصل محرک شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ العزیز تھے۔ اس لئے اس اہم جزو کا میں نے اضافہ کر دیا۔ اور اختصار ذکر کرنے کی بجائے مناسب یہی معلوم ہوا کہ مرحومہ کی زبانی بیان کردہ قصہ اپنے الفاظ میں پیش کر دوں۔ گو اس میں کچھ تطویل، بے ربطی اور تکرار بھی ہو جائے۔ (عبداللہ کاکاخیل)

تشریف لائے تو میں رو رہی تھی۔ اور میں اس لئے رو رہی تھی کہ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ نے میرے بارے میں یہ کہا تھا کہ نحنُ اکرمُ علیٰ رسول اللّٰہ منھا نحن ازواجہٗ وبنات عمہٖ۔
(یعنی حضرت صفیہ کی نسبت ہماری قدر و منزلت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زیادہ ہے۔ ہم ان کی ازواج بھی ہیں اور چچا زاد بھی، یعنی ان کے خاندان قریش میں سے ہیں۔)

میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے رونے کی یہ وجہ بیان کی تو آپ نے فرمایا:
اَلَا قُلْتِ وکیف تکونان خیراً منی ابی ھارون وعمی موسیٰ وزوجی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (آپ نے ان دونوں سے یہ کیوں نہیں کہا۔ کہ تم دونوں مجھ سے کس طرح بہتر ہو سکتی ہو حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد رسول اللہ میرے زوج ہیں۔ (ترمذی۔ الاصابہ ج ۴ ص ۳۴۸ و زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۵۹)

علامہ زرقانیؒ نے ابن سعدؒ کے حوالے سے ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ کہ مرض وفات میں تمام ازواج مطہرات آپ کے پاس جمع ہو گئی تھیں۔ حضرت صفیہ رضؓ نے فرمایا: واللّٰہ یا نبی اللّٰہ لوددت ان الذی بک بی۔ (اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یا نبی اللہ! بیماری کی جو تکلیف آپ کو ہو رہی ہے، میں دل سے چاہتی ہوں کہ یہ آپ کی بجائے مجھے ہو۔) تو اس کو سن کر دوسری ازواج مطہرات نے آپس میں ایک دوسری کو آنکھوں سے اشارہ کیا۔ آپ نے ان کو چشم زنی کرتی ہوئی دیکھ کر ان سے فرمایا۔ کہ اٹھ کر تم مضمضہ کرو۔ کہنے لگیں کہ کس وجہ سے۔ تو آپ نے فرمایا: من تغامزکن بھا واللّٰہ انھا لصادقۃ۔ (یہ جو تم نے اس کی یہ بات سن کر ایک دوسری کو آنکھوں سے اشارے کئے۔ اللہ کی قسم وہ اپنے اس قول میں سچی ہے۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۳۴۹ و زرقانی شرح مواہب ص ۲۵۹ ج ۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابو داؤد اور ترمذی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے دوران گفتگو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا حسبک من صفیۃ کذا وکذا تعنی قصیرۃ۔ (یعنی حضرت صفیہ رضؓ کا پست قد ہونا تذہیر سے تحقیر کے لہجے میں ذکر کیا۔) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: قد قلتِ کلمۃ لو مزجت بماء البحر لمزجتہ۔ یہ تو نے ایسی تلخ بات کہہ دی۔ کہ سمندر کے پانی میں جس کی مقدار بہت زیادہ ہے اس کو اگر ملا دیا جائے۔ تو اس کی کڑواہٹ اس سارے پانی کو کڑوا کر دے گی۔ (زرقانی ج ۴ ص ۲۵۹) ـــــ باقی آئندہ ـــــ

ایک جائزہ ایک لمحۂ فکریہ — جناب ملک نور محمد صاحب۔ شورکوٹ روڈ (جھنگ)

سرکاری نظامِ تعلیم

میں

قومی و ملی زبانوں اور اساتذہ کی

حالتِ زار

اپنے اسلامی اور ثقافتی ورثہ کے ساتھ ہمارا رویہ

زندہ قوموں کا اپنی زبان، لباس اور تہذیب سے محبت، لگن اور شیفتگی شیوہ ہوتا ہے۔ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی زبان، لباس اور تہذیب سے غفلت برتنے کے لئے آمادہ نہیں ہوا کرتیں آپ کسی روسی، چینی، فرنگی یا امریکی کو غیر کی زبان، لباس یا تہذیب پر نازاں نہیں پائیں گے۔ اور یہی تشبیہ کی اصل بنیاد ہے۔ اس سے فخرِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

آج ہم مسلمان اپنی زبانوں، لباس اور تہذیب سے گویا بیزار ہیں۔ تمام پاکستانی الاماشاءاللہ آپ کو غیر اسلامی لباس، وضع قطع اور شکل وشباہت میں نظر آئیں گے، غیروں کی زبان میں گفتگو کرنا ان کے لئے باعثِ فخر ہوگا اور اپنی ملی اور قومی زبانوں میں گفتگو کرنا ان کے لئے سبکی کی بات ہے۔ ہمارا ملی اور قومی زبانوں کے بارے میں اس قسم کا احساس ایک بہت بڑا قومی المیہ ہے۔

عربی اور فارسی ہماری ملی زبانیں ہیں۔ اسلام اور ان کا آپس میں چولی دامن کا تعلق ہے۔ پورا ہمارا دینی سرمایۂ حیات ان زبانوں کی رہینِ منّت ہے۔ نہایت افسوس سے اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ کہ فرنگی نے اپنے سو سالہ دور میں جس قدر ان زبانوں کو مقام دیا تھا۔ ہمارے تعلیمی ناخداؤں نے اس پہ کلہاڑے چلا دئے اور وہ دطرح عزیزہ میں دم توڑ چکی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ زبانوں کا احیاء و بقا پڑھنے اور پڑھانے والوں سے وابستہ ہوتا ہے۔ ہندو معاشرہ میں شودر کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اگر آپ اس کی زندہ تصویر پاکستانی معاشرہ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہائی سکولوں میں ہاتی

طبقہ میں عربی/فارسی، اسلامیات اور اردو پڑھانے والے استاد کی شکل میں وہ موجود ہے۔ ملّی علوم کے ان اساتذہ کا گناہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کا ایک بیش قیمت حصہ ملّی اور قومی زبانوں کی تحصیل و تکمیل میں صرف کیا ہوتا ہے۔ اور وہ ہائی سکولوں میں اسلامی نظریات و روایات کے ترجمان ہوتے ہیں۔

وطن عزیز میں ملّی علوم عربی، فارسی، اسلامیات اور اردو کا مستقبل انتہائی خطرے میں ہے۔ ملّی علوم کے پڑھانے والے اساتذہ اور پڑھنے والے طلبہ بڑی کس مپرسی کا شکار ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملّی علوم کے ختم کرنے کا مرحلہ وار منصوبہ بنایا جا چکا ہے۔ کئی مراحل گذر چکے ہیں اور تھوڑے باقی ہیں۔

آج کی صحبت میں ہم اس خون چکاں داستان کی جھلک قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان، معزز اراکین قومی اسمبلی اور تمام بہی خواہان ملک و ملّت کو دکھا کر انہیں ان کے فرائض سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے فرض سے سبک دوش ہوتے ہیں۔ ہم یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ ایک مخصوص گروہ ملّی علوم کا وطن عزیز سے جنازہ نکالنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ یہ گروہ وطن عزیز اور جناب بھٹو کا ہرگز خیر خواہ نہیں۔

وطن عزیز میں ہائی سکولوں میں عربی/فارسی، اسلامیات اور اردو کی تدریس کے فرائض سرانجام دینے والے، پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ، معاشرہ کے مصلح، اسلام کی تہذیبی روایات کے علمبردار اور قوم کے حقیقی معمار اورنٹیل ٹیچرز (معلّمین السنۂ شرقیہ) ہرگز بھیک نہیں مانگتے۔ وہ اپنا جائز حق مانگتے ہیں وہ بنگلے، کاریں اور بنک بیلنس کا مطالبہ نہیں کرتے۔ وہ صرف اپنے مساوی تعلیمی قابلیت کے حامل اور ہائی طبقہ میں مساوی تدریسی فرائض سرانجام دینے والے انگلش ٹیچروں کے برابر تنخواہ اور دیگر مراعات کا تاریخ تقرر سے مطالبہ کرتے ہیں۔

وہ اپنی داستان مظلومیت متعدد بار خداوندان تعلیم کے سامنے ملاقاتوں، مطبوعہ عرضداشتوں، قومی اخبارات اور دینی جرائد کی وساطت سے پیش کر کے بے نیل مرام لوٹ کر قومی اسمبلی کے دروازے پر انصاف کو آواز دیتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔

اورنٹیل ٹیچرز اپنے مضامین کے مستند فاضل اور ملّی علوم کے مزاج شناس ہوتے ہیں، مگر انہیں ایک فالتو اور فرمایہ استاد خیال کرتے ہوئے ان کے مسائل کبھی سنجیدگی سے نہیں دیکھے گئے۔ ان کی جگر دوز، دل دگداز اور حسرت ناک داستان دل تھام کر سننے کی متقاضی ہے۔

ملی علوم کے اساتذہ فاضل عربی / فاضل فارسی / فاضل اردو ہوتے ہیں۔ مزید برآں میٹرک۔ ایف اے بی اے وغیرہ ہوتے ہیں۔ اب میٹرک ہونا شرط ہے۔ اور ایک سالہ او۔ٹی کا محکمانہ تربیتی کورس کرتے ہیں۔ جب کہ انگلش ٹیچرز بی، اے / بی ایس سی۔ ایم۔ اے ہوتے ہیں اور ۹ ماہ کا بی، ایڈ کا تربیتی کورس کرتے ہیں۔

اورنٹیل ٹیچرز دو لازمی مضامین اردو اور اسلامیات اور دو اختیاری مضامین عربی / فارسی اور اسلامیات ہائی طبقہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ——————— جبکہ انگلش ٹیچرز بھی دو لازمی مضامین انگلش اور مطالعہ پاکستان اور دو اختیاری مضامین سائنس اور ریاضی وغیرہ پڑھاتے ہیں۔ مطالعہ پاکستان کے پڑھانے کے لئے یقیناً اورنٹیل ٹیچرز انگلش ٹیچرز سے زیادہ موزوں ہیں۔ دیگر حقوق کی طرح ان کا یہ حق بھی انگلش ٹیچروں نے غصب کر رکھا ہے۔ کیا اورنٹیل ٹیچرز کو ایک مضمون کا استاد سمجھنا دوپہر کے سورج کے انکار کے مترادف نہیں ؟

مساوی تعلیمی قابلیت کے حامل اور ایک ہی طبقہ میں مساوی تدریسی فرائض سرانجام دینے والے ملی علوم کے اساتذہ اور انگلش ٹیچروں کی تنخواہوں اور مناصب کا غیر معمولی تفاوت ملاحظہ فرمائیے۔
اورنٹیل ٹیچرز کا جون ۱۹۷۰ء سے پہلا گریڈ ۱۱۵-۵-۱۸۰/۷-۲۱۵ تھا۔ پانچ پیشگی ترقیاں ملا کر ۱۴۰ سے ابتدا ہوتی تھی۔ جون ۱۹۷۰ء سے ۱۷۱-۷-۱۸۵/۸-۲۲۵-۱۰-۲۷۵ کا گریڈ دیا گیا۔ گویا ۱۷۱-۱۴۰=۳۱ ابتدائی اضافہ ۲۲،۱ فیصد ہوا۔ انگلش ٹیچرز کا جون ۱۹۷۰ء میں ۳۰۰-۲۵-۴۵۰/۳۰-۷۵۰ کا گریڈ دیا گیا گویا ۳۰۰-۲۲۰=۸۰ ابتدائی اضافہ ۳۶،۳۳ فیصد ہوا۔ مڈل طبقہ میں انگریزی پڑھانے والے اساتذہ جن کی بنیادی تعلیمی اور پیشہ ورانہ قابلیت میٹرک جے، اے، وی / ایف۔ اے۔ سی، ٹی ہوتی ہے۔ ان کا جون ۱۹۷۰ء کا گریڈ حسب ذیل ہے۔ ۱۸۵-۸-۲۲۵-۱۰-۳۷۵ گویا ۱۸۵-۱۳۹=۴۶۔ ابتدائی اضافہ ۳۳،۱ فیصد ہوا۔ باوجود تعلیمی قابلیت کم اور تدریسی فرائض میں ادنیٰ ہونے کے جونیئر انگلش ٹیچرز ہائی طبقہ میں عربی / فارسی، اسلامیات اور اردو پڑھانے والے اورنٹیل ٹیچرز سے اعلیٰ مقام اور زیادہ تنخواہ پاتے ہیں اور یہی جونیئر انگلش ٹیچرز کا گریڈ میٹرک آرٹ اینڈ کرافٹس ٹیچرز کو بھی دیا گیا ہے۔ ع

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمیں

پرائمری طبقہ میں پڑھانے والے میٹرک سی، وی کا جون ۱۹۷۰ء سے ابتدائی گریڈ ۱۵۰ کر دیا گیا۔ گویا ۱۵۰-۱۰۸=۴۲۔ ابتدائی اضافہ ۳۸،۹۶ فیصد ہوا۔

پرائمری اساتذہ کے برابر سکیل نمبر ۶ انگلش ٹیچرز کا جولائی ۱۹۷۳ء کا گریڈ ۳۵۰-۲۵-۴۷۵/۲۵-۶۰۰-۳۰-۷۵۰ دیا گیا گویا ۳۵۰-۳۰۰=۵۰ ابتدائی اضافہ ۱۶،۶۷ فیصد ہوا۔ جونیئر انگلش ٹیچرز

کا جولائی ۱۹۷۳ء کا گریڈ ۲۰۰-۱۲-۲۶۰/۱۵-۴۵۰ دیا گیا۔ گویا ۲۰۰-۱۸۵=۱۵- ابتدائی اضافہ ۱ء۸ فیصد ہوا۔ پرائمری طبقہ کے اساتذہ جے، وی/ پی، ٹی، سی کا جولائی ۱۹۷۳ء کا گریڈ ۱۶۵-۸-۲۰۵/۱۰-۳۱۵ گویا ۱۶۵-۱۵۰=۱۵ ابتدائی اضافہ ۱۰ فیصد ہوا۔

جناب والا! ذرا توجہ فرمائیے۔ اورنٹیل ٹیچرز کا جولائی ۱۹۷۳ء کا گریڈ ۱۶۵-۸-۲۰۵/۱۰-۳۱۵ گویا ۱۷۱-۱۶۵=۶ کمی ۳۳ء۳ فیصد ہوئی۔

فیاللعجب !!! یعنی ہائی کلاسز کو عربی/ فارسی، اسلامیات اور اردو پڑھانے والے اورنٹیل ٹیچرز کو پرائمری طبقہ کے اساتذہ کے برابر کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جے وی/ پی، ٹی سی اساتذہ پرائمری جماعتوں کو پڑھاتے ہیں۔ وہ عموماً اپنے گاؤں میں تعینات ہوتے ہیں۔ اور ان کا معیار زیست اپنے طبقے کی مناسبت سے ہوتا ہے اور گھر میں یا گھر کے قریب ہونے سے اخراجات کم ہوتے ہیں۔ مگر اورنٹیل ٹیچرز ہائی کلاسز کو پڑھاتے ہیں۔ وہ عام طور پہ اپنے گھروں سے دور ہائی سکولوں میں تعینات ہوتے ہیں۔ ہائی طبقہ کے لحاظ سے ان کا معیار زیست بھی اونچا ہونا ناگزیر ہے۔ اس اجمال پہ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اورنٹیل ٹیچرز کی حالت جے، وی/ پی، ٹی سی سے بھی بدرجہا ابتر کر دی گئی ہے۔ فجزاکم اللہ فی الدارین۔

اگر واقعی ملی اور قومی زبانوں کے اساتذہ اورنٹیل ٹیچرز کے لئے قومی خزانہ عامرہ میں گنجائش نہیں تو کیا ان کے لئے پرائمری سکولوں میں بھی جگہ نہیں۔؟ جہاں وہ کم از کم اپنے گھر کے قریب جا سکیں اور ان کے معیار زیست اور اخراجات میں کمی آ سکے۔

ہم انصاف کو آواز دیتے ہوئے ارباب بست وکشاد کا دامن جھنجھوڑ کر پوچھنا چاہتے ہیں۔ جناب والا! ہمیں ہائی کلاسز کو پڑھانے کا اہل سمجھ کر ہائی کلاسز کو پڑھانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ ہائی کلاسز کو پڑھانے کے لئے ہائی سکولوں میں ہمارا تقرر عمل میں لایا جاتا ہے۔ اور عملی طور پہ ہم ہائی کلاسز کو پڑھاتے ہیں۔ پھر ہم سے کون سا کبیرہ گناہ سرزد ہوا ہے۔؟ جس کی پاداش میں ہمیں ذلیل و رسوا کیا جا رہا ہے۔ ہمیں پرائمری طبقہ کے اساتذہ کے برابر سکیل دیا جا رہا ہے۔ کیا ہم پاکستان کے شہری نہیں ہیں۔؟ کیا عربی اور فارسی کی تدریس کبیرہ گناہ ہے۔؟ اس کمر توڑ مہنگائی کے دور میں ہمارے لئے تن اور جان کا رشتہ قائم رکھنا مشکل ہو چکا ہے۔ ہمارے لئے ان حالات میں قطعی طور پہ ہائی کلاسز کو پڑھانا ممکن نہیں رہا۔ ہمیں اپنے گھروں کے قریب پرائمری سکولوں میں بھیج دیا جائے۔ کیا ہمارا یہ

مطالبہ بھی نامعقول ہے۔؟

اورنٹیل ٹیچرز ساری زندگی ٹیچرز ہی رہتے ہیں اور ان کے لئے عمر بھر ترقی کے دروازے بند رہتے ہیں۔ اس طرح انہیں اپنے ملّی علوم سے شیفتگی کی پوری سزا مل جاتی ہے۔ جب کہ انگلش ٹیچرز ہیڈ ماسٹر، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر اور ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایجوکیشن تک بن سکتے ہیں۔

خداوندانِ تعلیم کی ملّی زبانوں اور ان کے اساتذہ اور طلبہ سے بے نیازی اور بے التفاتی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ عام نوٹیفکیشنوں میں ان کا تذکرہ ہے۔ سی/ پی، ٹی، سی کے بعد کیا جاتا ہے۔ اور تعلیمی قابلیت میٹرک + او، ٹی ذکر کی جاتی ہے۔ حالانکہ اصل قابلیت فاضل + او، ٹی ہے۔ صرف میٹرک تو او، ٹی کی تربیت حاصل نہیں کر سکتا۔ سننے میں آرہا ہے کہ محکمہ تعلیم نویں اور دسویں جماعت کی عربی/ فارسی، اسلامیات اور اردو کی تدریس انگلش ٹیچروں کے سپرد کرنے کی تجویز پر غور کر رہا ہے۔ اگر اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا گیا تو یہ اسلامی علوم کے خاتمے کے مترادف ہوگا۔

انگلش ٹیچروں کی ان کے اپنے مضامین میں قابلیت سے بحث نہیں، مگر عربی، فارسی، اسلامیات اور اردو میں فاضل اساتذہ کے مقابلے میں ان کی قابلیت کا کسی واقف حال کے دل میں خیال تک نہیں آسکتا۔ اب تک اورنٹیل ٹیچرز کس مپرسی کا شکار چلے آرہے تھے۔ مگر ان کا منصبی مقام محفوظ تھا۔ اب منصبی مقام چھیننے کی بھی سعی کی جارہی ہے۔ ہائی سکولوں میں اورنٹیل ٹیچرز اور انگلش ٹیچرز کے فرائض اور مضامین مساوی ہیں مگر اورنٹیل ٹیچرز کی اسامیاں انگلش ٹیچرز کے مقابلے میں بہت کم ہیں جس طرح ایک اورنٹیل ٹیچر باوجود ایف، اے یا بی، اے ہونے کے چھٹی جماعت تک کو انگلش پڑھانے کا اہل اور مجاز نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح ایک انگلش ٹیچر کو گو اس نے بی اے میں عربی/ فارسی پڑھی بھی ہو۔ اسے ان زبانوں کی تدریس کا ہرگز اہل اور مجاز نہیں سمجھا جانا چاہئے۔ اس سے ملّی علوم کے اساتذہ کی سنگین حق تلفیاں ہو رہی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ فوری طور پر اس کا سدباب کرکے ہائی سکولوں میں اورنٹیل ٹیچرز کی آسامیاں انگلش ٹیچرز کی آسامیوں کے مساوی کر دی جائیں اور ملّی علوم کی تدریس کے فرائض قطعی طور پر غیر اورنٹیل ٹیچرز کے سپرد نہ کئے جائیں۔ موجودہ او، ٹی کی آسامیوں کا تناسب اس وقت کا ہے، جب میٹرک میں اردو لازمی نہیں تھی اور اسلامیات کا سرے سے وجود نہیں تھا۔

ز گئی دور اور قیام پاکستان کے بعد میٹرک میں سائنس کے طلبہ عربی/ فارسی (۲۰۰ نمبر والی) پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ خود راقم الحروف نے ۱۹۵۶ء میں میٹرک میں سائنس کے ساتھ ۲۰۰ نمبر والی عربی پڑھی ہے اور

اس وقت آرٹس کے طلبہ کے لئے میٹرک اور الیف، اے میں ۲۰۰ نمبر والی عربی/فارسی پڑھنا ضروری تھا مگر اب میٹرک میں سائنس کے طلبہ کے لئے عربی/فارسی کے دروازے بند کر دئے گئے ہیں اور ۱۰۰ نمبر والی عربی فارسی عملی طور پر سائنس کا کوئی طالب علم نہیں پڑھتا۔ نیز آرٹس کے طلبہ کے لئے بھی عربی/فارسی کو متعدد مضامین کا متبادل بنا دیا گیا ہے۔ اور چونکہ عربی/فارسی پڑھنے اور پڑھانے والوں کا معاشرہ میں کوئی وقار نہیں رہا۔ اس لئے ان مضامین کو کوئی کیوں پڑھے۔؟ دوسرے اب میٹرک میں عربی/فارسی کو ۲۰۰ نمبر اور ۱۰۰ نمبر میں تقسیم کر کے آپس میں لڑا دیا گیا ہے۔ جو طالب علم عربی/فارسی پڑھتا بھی ہے وہ محض اپنے مضامین پورا کرنے کے لئے ۱۰۰ نمبر والی عربی/فارسی پڑھتا ہے۔ جس کا معیار محض رسمی ہوتا ہے اور طالب علم میں کوئی قابلیت اور تعلیمی استعداد پیدا نہیں ہو سکتی۔ بیشتر ہیڈ ماسٹر صاحبان اور انگلش ٹیچروں کی ملی بھگت سے اکثر سکولوں سے ۲۰۰ نمبر والی عربی/فارسی کو ختم کیا جا چکا ہے۔ جن چند سکولوں میں اورنٹیل ٹیچرز کی ہمت سے ۲۰۰ نمبر والی عربی/فارسی پڑھائی جا رہی ہے۔ ان سے بھی جلد ہی ختم کر دئے جانے کی توقع ہے۔ یہ ایک بہت بڑا ملی المیہ ہے۔ اور ملی اور قومی حلقے خاموشی کی صورت میں عند اللہ ضرور جواب دہ ہوں گے۔ آرٹس کے طلبہ کے میٹرک اور الیف، اے میں ۲۰۰ نمبر والی عربی/فارسی کو حسب سابق بطور اختیاری مضمون کے پڑھنا اور میٹرک میں سائنس کے طلبہ کے لئے گنجائش رکھنا اور ۱۰۰ نمبر والی عربی/فارسی کا کلی طور پر خاتمہ ایک اہم ملی تقاضا ہے۔

ملی زبانوں کے ہفتہ وار پیریڈز ملی زبانوں کو عموماً ہفتہ وار ۱۰۰ نمبر پر ۴ تدریسی پیریڈ ملتے ہیں۔ مگر انگریزی وغیرہ کو ۱۰۰ نمبروں پر ۶ پیریڈز ملتے ہیں۔ ایک انگلش ٹیچرز کے تھوڑے مضامین سے زیادہ پیریڈز بن جاتے ہیں اور ایک اورنٹیل ٹیچر کو پیریڈز پورا کرنے کے لئے زیادہ مضامین پڑھانے پڑھتے ہیں۔ اس طرح ایک محروم الحقوق اورنٹیل ٹیچر کو ایک انگلش ٹیچر سے کم از کم ڈیڑھ گنا تدریسی فرائض سر انجام دینا پڑتے ہیں اور اس سے تعلیمی معیار پر بھی بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔ ہمیں بڑے افسوس اور دکھ سے یہ گذارشات منظر عام پر لانا پڑ رہی ہیں۔ محکمہ تعلیم اور ہیڈ ماسٹر صاحبان کو کم از کم ہم پر یہ سنگین زیادتی تو روا نہیں رکھنی چاہیئے۔ کیا موئے کو مارنا شرلیفوں کا شیوہ ہے۔؟

ملی زبانوں کے طلبہ کی زبوں حالی عربی/فارسی ملی زبانوں کے طلبہ بھی ملی زبانوں کے اساتذہ کی طرح بڑے مظلوم ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ ان کا محض قصور یہ ہے۔ کہ وہ عموماً غریب اور کمزور ہوتے ہیں۔ اور وہ عربی/فارسی پڑھتے ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ جس قدر زیادتی روا رکھی جائے کسی قسم کی آواز اٹھنے کا خطرہ نہیں۔ پرائمری مدارس میں پڑھانے والے استاد کی تعلیمی

قابلیت میٹرک اور ایک سال کی محکمانہ پی، ٹی، سی کی تربیت ہے۔ پی، ٹی، سی کے داخلے میں ایک زیادہ نمبر حاصل کرنے والا طالب علم جس نے میٹرک میں بدقسمتی سے عربی/فارسی پڑھی ہو، کے مقابلے میں سائنس کے تھوڑے نمبر حاصل کرنے والے امیدوار کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جس کا عملی طور پر یہ نتیجہ نکلا ہے کہ سائنس کے کم نمبر حاصل کرنے والے امیدوار کو تو پی، ٹی، سی میں داخلہ مل سکتا ہے۔ مگر عربی/فارسی سے میٹرک پاس کرنے والے ذہین امیدوار کا پی، ٹی، سی میں داخلہ ایک مسئلہ بن چکا ہے۔ یہی باقی محکموں کا حال ہے۔

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جس ریاضی اور سائنس کی پرائمری طبقے میں ضرورت ہے وہ عربی/فارسی پڑھنے والا طالب علم میٹرک میں جنرل ریاضی اور جنرل سائنس کے عنوان سے پڑھ چکا ہوتا ہے۔ اگر پی، ٹی، سی کے داخلہ کے لئے مضامین کے لحاظ سے ترجیح ضروری ہے تو وہ عربی/فارسی پڑھنے والے امیدوار کو جائز حقوق سے محروم ہی کرنا ہے۔ تو ان مضامین کے باقی رکھنے کی آخر وجہ جواز کیا ہے۔؟ سوائے قوم کے لاکھوں روپے کے ضیاع اور ہزاروں بچوں کے مستقبل کو تاریک کرنے کے کیا حاصل ہے۔؟

اورنٹیل ٹیچرز ہائی سکولوں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ہر معقول طریقے سے اپنے جائز مطالبات ارباب بست و کشاد تک پہنچا چکے ہیں، مگر بغیر جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں کے کوئی معقول بات سننے تک تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر طرف سے ناکام اور مایوس ہو کر قومی اسمبلی کے دروازے پر انصاف کو آواز دیتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔

نوٹ: حال ہی میں اخبارات میں ایک سرکاری اعلان شائع ہوا ہے جس میں اورنٹیل ٹیچرز کو سکیل ۸ اور ۳۰ فیصد انگلش ٹیچرز کو سکیل ۱۶ دئیے جانے کا ذکر ہے۔ اس طرح تفاوت اور زیادہ ہو گیا ہے۔ اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہے۔

اسی طرح ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے ہائی طبقے سے عربی/فارسی کے مضمون کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اب کوئی طالب علم عربی/فارسی کا مضمون (۲۰۰ نمبر والی عربی/فارسی) نہیں پڑھ سکے گا۔ بالکل رسمی اور معمولی معیار کا ایک عربی/فارسی کا ۱۰۰ نمبر کا پرچہ ہوا کرے گا۔ اور بس۔ یہی وہ خطرہ تھا جس کا ہم عرصہ دراز سے اظہار کر رہے تھے، ہم بساط بھر اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ اور عند اللہ جواب دہی سے یقیناً بچ جائیں گے۔ قومی اور ملی حلقوں نے اس سلسلے میں کمال لاپرواہی اور غفلت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ عند اللہ ضرور جواب دہ ہوں گے۔ ملی اور قومی زبانوں کو فرنگی کا دیا ہوا مقام بھی ۱۹۷۵ء میں غضب ہو گیا ہے۔ کاش! مرا ماد ر نزادی۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی
مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان

مرزا غلام احمد قادیانی کے سات دن

مرزا غلام احمد قادیانی مراق اور ذیابیطس کے مریض تھے، اور یہ دونوں مرض ان کو دعوئ نبوت و مسیحیت کے انعام میں عطا کئے گئے تھے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"دو مرض میرے لاحق حال ہیں، ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں۔ اور دوسری بدن کے نیچے کے حصہ میں۔ اوپر کے حصہ میں دوران سر ہے، اور نیچے کے حصہ میں کثرت پیشاب ہے۔ اور یہ دونوں مرضیں اسی زمانہ سے ہیں جس زمانہ سے میں نے اپنا دعوئ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۳۰۷)

مرزا صاحب کی کوئی کتاب پڑھنے بیٹھئے۔ تو ممکن نہیں کہ مرزا صاحب کے مراقی بخارات سے (جن کو وہ حقائق و معارف کہا کرتے ہیں۔) خود آپ کا سر نہ چکرانے لگے، ان "بخارات" کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ الفاظ ہیں معنی نہیں، دعویٰ ہے۔ دلیل نہیں۔ خیالاتی محلات ہیں۔ حقیقت نہیں، اور خود لکھنے کا یہ حال کہ۔ ع

نہ باگ ہاتھ میں ہے نہ پا ہے رکاب میں

آیئے مرزا صاحب کا لیکچر لاہور سنیئے، جو ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ سات ہزار برس میں دنیا کا ایک دور ختم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اور اسی امر پر نشان قرار دینے کیلئے دنیا میں سات دن مقرر کئے گئے، تا کہ ہر ایک دن ایک ہزار برس پر دلالت کرے، ہمیں معلوم نہیں کہ دنیا پر اس طرح سے کتنے (سات ہزار سے) دور گذر چکے ہیں۔ اور کتنے آدم اپنے اپنے وقت میں آ چکے ہیں، چونکہ خدا قدیم سے خالق ہے۔ اس لئے ہم مانتے اور ایمان لاتے ہیں

کہ دنیا اپنی نوع کے اعتبار سے قدیم ہے، لیکن اپنے شخص کے اعتبار سے قدیم نہیں ہے۔" (صفحہ ۳۸، صفحہ ۳۹)

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ سات دن سے سات ہزار اور سات ہزار سے کئی سات ہزار۔ اور کئی سات ہزار سے دنیا کے قدیم ہونے کا عقیدہ کیسے نکل آیا۔؟ اور اسکی دلیل صرف یہ کہ معلوم ہوتا ہے۔" مرزا صاحب نے غالباً اسلامی عقائد کی کتابوں کا مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ ان کی نظر سے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ضرور گذرا ہوتا کہ:

ان العالم حادث .... فمن قال بقدم العالم فھو کافر (شرح فقہ اکبر ص ۱۲ مطبوعہ مجتبائی)
دنیا حادث ہے، پس جو شخص دنیا کو قدیم کہے وہ کافر ہے۔

خالق اور خلق:—— آگے ارشاد ہوتا ہے:

"افسوس کہ حضرات عیسائیاں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صرف چھ ہزار برس ہوئے کہ جب خدا نے دنیا کو پیدا کیا، اور زمین و آسمان بنائے، اور اس سے پہلے خدا ہمیشہ کے لئے معطل اور بیکار تھا، اور ازلی طور پر معطل چلا آتا ہے۔ یہ ایسا عقیدہ کہ کوئی صاحب عقل اس کو قبول نہیں کرے گا۔ مگر ہمارا عقیدہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے یہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے خالق ہے، اگر چاہے تو کروڑوں مرتبہ زمین و آسمان کو فنا کر سکے، پھر ایسے ہی بنا دے۔" (صفحہ ۳۹)

مرزا صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر خدا خالق قدیم ہے تو لازم ہے کہ مخلوق کو بھی قدیم مانا جائے ورنہ لازم آئے گا کہ خدا ہمیشہ سے خالق نہیں بلکہ (معاذ اللہ) ازل سے معطل اور بیکار چلا آتا ہے۔ مگر یہ وہی پرانی مغالطہ ہے جو فلاسفہ اور دہریے ہمیشہ پیش کرتے آئے ہیں اور اہل اسلام کا اس کے مقابلہ میں ہمیشہ یہ عقیدہ رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے صفت خالقیت کے ساتھ موصوف ہے۔ مگر مخلوق ازلی نہیں، بلکہ حادث ہے۔

امام اعظمؒ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

وقد کان اللہ تعالیٰ خالقاً فی الازل — اور اللہ تعالیٰ ازل ہی سے خالق رہا ہے،
ولم یخلق الخلق۔ — جبکہ اس نے مخلوق کو پیدا نہیں کیا تھا۔

علامہ علی قاریؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

والحاصل انہ سبحانہ کما قال الطحاویؒ — حاصل یہ کہ جیسا کہ امام طحاویؒ نے فرمایا ہے۔

لیس منذ خلق الخلق استفاد اسم الخالق	اللہ تعالیٰ نے صرف مخلوق کو پیدا کر کے
ولا باحداثه البریة استفاد اسم الباری	خالق کا نام نہیں پایا، اور مخلوق کی ایجاد
له معنی الربوبیة ولا مربوب و معنی	کے بعد اس کو باری کا نام نہیں ملا،
الخالقیة ولا مخلوق۔ وکما انه محی الموتی	بلکہ اسے ربوبیت کی صفت اس
بعد ما احیی استحق هذا الاسم قبل احیائهم	وقت بھی حاصل تھی جبکہ کوئی مربوب
کذالك استحق اسم الخالق قبل انشائهم	نہیں تھا، اور خالقیت کی صفت
ذالك بانه علی کل شیئ قدیر	اس وقت بھی حاصل تھی جبکہ کوئی مخلوق

موجود نہیں تھی۔ جسطرح مردوں کو زندہ کرنے کے بعد وہ "زندہ کرنے والا" کہلاتا ہے۔ اسی طرح وہ ان کو پیدا کرنے سے قبل بھی اسم خالق کا مستحق تھا۔ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت ازلیہ سے مخلوق کے ازلی ہونے پر استدلال کرنا عقلاً ونقلاً غلط ہے۔ اور یہ دہریوں کا عقیدہ ہے۔ مسلمانوں کا نہیں۔

سات ہزار کا دورہ :—— مرزا صاحب فرماتے ہیں :

اس (اللہ تعالیٰ) نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ آدم جو پہلی امتوں کے بعد آیا، جو ہم سب کا باپ تھا، اس کے دنیا میں آنے کے وقت سے یہ سلسلہ انسانی شروع ہوا ہے۔ اور اس سلسلہ کی عمر کا پورا دورہ سات ہزار برس تک ہے۔ یہ سات ہزار خدا کے نزدیک ایسے ہیں جیسے انسان کے سات دن۔ (صد ۳۹)

یہاں مرزا صاحب کے دو دعوے ہیں، اوّل یہ کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آدم علیہ السلام، جو ہمارے جدِ امجد ہیں۔ وہ پہلی امتوں کے بعد آئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ یہ خبر قرآن کریم کی کس آیت میں دی گئی ہے۔ ؟

دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ اس دنیا کی عمر، جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی، سات ہزار سال ہے۔ یہ بات بھی کہیں قادیانی انجیل میں لکھی ہو تو ہو، مگر قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی جانب کوئی اشارہ نہیں فرمایا۔ اگر سات ہزار کے دورے کا نکتہ قادیان کے "بیت الفکر" سے باہر کسی کو معلوم ہوتا تو ہر شخص آسانی سے بتا سکتا تھا کہ قیامت فلاں سن کی فلاں تاریخ کو آئے گی۔ لیکن قرآن کریم نے صاف اعلان کیا کہ قیامت کب آئے گی۔؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب قیامت کے بارے میں دریافت کیا تو ارشاد فرمایا:

ما المسئول عنها باعلم من السائل۔ جس شخص سے دریافت کیا جارہا ہے وہ دریافت کنندہ سے زیادہ انہیں جانتا ہے۔

بعض روایات جو اس سلسلہ میں مروی ہیں۔ اوّل تو وہ اس لائق نہیں کوئی عاقل ان پر اپنے توہمات کی عمارت استوار کرے۔ چنانچہ محدثین نے انہیں موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اور اگر ان کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو مرزا صاحب کے دعویٰ کا سارا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے تھے، اور ان روایات میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل چھ ہزار برس گزر چکے تھے۔ شیخ ملی قاریؒ موضوعات کبیر میں حافظ ابن قیمؒ سے نقل کرتے ہیں:

نصاب: ومنها مخالفة الحديث لصريح القرآن كحديث مقدار الدنيا وانها سبعة آلاف ونحن في الالف السابعة وهذا من ابين الكذب لانه لو كان صحيحاً لكان كل احد عالم انه قد بقي للقيامة من وقتنا هذا مائتان واحد وخمسون سنة، والله تعالى يقول (يسئلونك عن الساعة ايان مرسها)۔	کسی حدیث کے من گھڑت ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ قرآن کی نص صریح کے خلاف ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "دنیا کی مقدار سات ہزار سال ہے۔ اور ہم ساتویں ہزار میں" کھلا جھوٹ ہے، اس لئے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہر شخص جان سکتا تھا کہ ہمارے اس وقت سے قیامت آنے میں دو سو اکیاون ۲۵۱ برس باقی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ

قیامت کا وقوع کب ہوگا؟ آپ کو اس کے بیان سے کیا تعلق؟ اسکی تعیّن کا مدار صرف آپ کے رب کیطرف ہے۔ الآیۃ۔

اس کو نقل کرکے شیخ علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"جلال الدین سیوطیؒ اپنے رسالہ "الکشف عن مجاوزة هذه الامة عن الالف" میں ان احادیث کی تحقیق کے درپے ہوئے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث سے قرب قیامت کا ثبوت معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت سے تعین وقت کی نفی معلوم ہوتی ہے۔

لہٰذا دونوں میں کوئی منافاۃ نہیں۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہ امت پندرہ صدیوں سے تجاوز نہیں کرے گی۔

اور ہمارے زمانے کے بعض برخود غلط مدعیانِ علم نے کھلا جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے۔ (غالباً مرزا صاحب انہی کے بروز ہیں۔) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے آنے کا ٹھیک ٹھیک وقت معلوم تھا۔ اس سے کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حدیث جبریل میں یہ فرمایا ہے کہ: جس سے دریافت کیا جائے وہ دریافت کنندہ سے زیادہ نہیں جانتا۔" تو اس نے حدیث میں تحریف کر کے کہا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "اے جبریل! میں اور تم دونوں جانتے ہیں"۔ اور یہ سب سے بڑا جہل اور بدترین تحریف ہے۔"

اس پر تفصیل سے ردّ کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:

مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ صریح جھوٹی اور من گھڑت روایات کی تصدیق کرتے ہیں اور احادیثِ صحیحہ میں تحریف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا حامی و ناصر ہے۔ وہ ایسے لوگوں کو قائم رکھے گا جو دین کی خیر خواہی کا حق ادا کرتے رہیں گے۔

(موضوعات کبیر صـ ۱۶۲، صـ ۱۶۳)

(مطبوعہ نور محمد کراچی)

حروف ابجد: — مرزا صاحب آگے لکھتے ہیں:

"غرض بنی آدم کی عمر کا دور سات ہزار برس مقرّر ہے۔ اور اس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پانچ ہزار برس کے قریب گذر چکا تھا، یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہو کہ خدا کے دنوں میں سے پانچ دن کے قریب گذر چکے تھے، جیسا کہ سورہ والعصر میں یعنی اس کے حروف میں ابجد کے لحاظ سے اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب وہ سورہ نازل ہوئی، تب آدم کے زمانہ پر اسی قدر مدّت گذر چکی تھی جو سورۂ موصوفہ اس حساب سے نوعِ انسانی کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گذر چکے ہیں۔ اور ایک ہزار برس باقی ہیں۔" (صـ ۳۹)

لیجئے مرزا صاحب نے سورۂ والعصر سے حروف ابجد کا حساب لگا کر دنیا کی پوری تاریخ معلوم کر لی۔ آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ۵ ہزار کے قریب۔ اور چودھویں کے آخر تک، چھ ہزار، اور قیامت، سات ہزار مرزا صاحب کا یہ مسیحی یا مراقی دقیقہ انہیں اسی وقت سے الہام

ہو گیا تھا، جب سے وہ مسیح موعود بنے، ازالۂ اوہام سے لیکر براہین احمدیہ حصہ پنجم تک قریباً تمام کتابوں میں وہ یہی رٹ لگاتے رہے، ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں:

"میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ قرآن شریف کے عجائبات اکثر بذریعہ الہام میرے پر کھلتے رہتے ہیں۔ اور اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ تفسیروں میں ان کا نام و نشان نہیں پایا جاتا مثلاً یہ جو اس عاجز پر کھلا ہے کہ ابتدائے خلقت آدم سے جسقدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت تک مدت گذری تھی وہ تمام مدت سورہ والعصر کے اعداد حروف میں بحساب قمری مندرج ہے، یعنی چار ہزار سات سو چالیس، اب بتلاؤ کہ یہ دقائق قرآنیہ جس میں قرآن کریم کا اعجاز نمایاں ہے۔ کس تفسیر میں لکھے ہیں۔"

(ازلہ اوہام ص ۱۳۲ طبع پنجم)

اب ظاہر ہے کہ یہ خبط کسی اور کو کب سوجھ سکتا ہے، جو مرزا صاحب کو دعویٰ مسیحیت کے طفیل سوجھا، مرزا صاحب فخر کرتے ہیں کہ یہ دقائق و حقائق بتاؤ کس تفسیر میں لکھے ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ ایسے "دقائق و حقائق" کہانت میں داخل ہیں۔ جو اسلامی عقائد میں کفر کا شعبہ قرار دیا گیا ہے۔

شیخ علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

ومنها ان تصدیق الکاهن بما یخبره من الغیب کفر لقوله تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ - و لقوله علیه الصلوٰة والسلام من اتی کاهنا فصدقه بما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد	ایک مسئلہ یہ ہے کہ کاہن جو غیب کی خبریں دیتا ہے، اسکی تصدیق کرنا کفر ہے۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: "کہہ دیجئے کہ نہیں جانتے غیب جو آسمانوں میں ہیں۔ اور زمین میں ہیں سوائے اللہ کے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص کاہن کے پاس گیا۔ پس اسکی بات کی تصدیق کی تو اس نے کفر کیا اس کے ساتھ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔
ثم الکاهن هو الذی یخبر عن الکوائن فی مستقبل الزمان و یدعی معرفة الاسرار فی المکان، وقیل الکاهن الساحر	اور کاہن وہ شخص ہے جو آئندہ زمانے کے واقعات کی خبر دیتا ہے۔ اور مکان کے اسرار کی معرفت کا مدعی ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ کاہن ساحر ہے۔

والمنجم اذا ادّعی العلم بالحوادث الآتیة فهو مثل الکاهن وفی معناه الرمّال۔

اور نجومی جب آئندہ واقعات کے علم کا دعویٰ کرے تو وہ بھی کاہن کے مثل ہے۔ اور اسی حکم میں رمّال داخل ہے۔

قال القونوی والحدیث یشمل الکاهن والعراف، والمنجم، فلا یجوز اتباع المنجم والرمّال وغیرهما کالضارب بالحصی، وما یعطی هؤلاء حرام بالاجماع، کما نقله البغوی والقاضی العیاض وغیرهما، ولا اتباع من ادّعی الالهام فیما یخبر به عن الهاماته بعد الانبیاء، ولا اتباع قول من ادّعی علم الحروف المهجیات لانه فی معنی الکاهن انتهی۔

قونوی کہتے ہیں کہ حدیث کاہن، قیافہ شناس اور نجومی سب کو شامل ہے۔ اس لئے نجومی، رمّال اور اس نوعیت کے دوسرے لوگ مثلاً کنکریاں پھینک کر حساب لگانے والے کی پیروی جائز نہیں۔ ان لوگوں کو جو اجرت دی جاتی ہے۔ وہ بالاجماع حرام ہے۔ جیساکہ بغوی اور قاضی عیاض وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے بعد اس شخص کی پیروی بھی جائز نہیں جو مدعی الہام بن کر الہامات کے ذریعہ خبریں دیتا ہو، اور نہ اس شخص کی پیروی جائز ہے۔ حروف ابجد کے علم کا مدعی ہو، کیونکہ یہ بھی کاہن کے حکم میں ہے۔

ان لوگوں کے بارے میں طویل بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وقد یکون فی هؤلاء من یستحق القتل کمن یدعی النبوة بمثل هذه الخزعبلات، او طلب تغییر شیٔ من الشریعة ونحو ذالک۔

اور ان لوگوں میں سے بعض لوگ قتل کے مستحق ہیں، مثلاً وہ شخص جو اس قسم کے جھوٹے حربوں سے نبوت کا مدعی ہو یا شریعت کی کسی چیز میں تبدیلی کا خواہاں ہو۔ وغیرہ

(شرح فقہ اکبر ص۱۸۳، ص۱۸۴)

اس آخری تحریر کے وقت تو شاید شیخ علی قاریؒ پر مرزا صاحب کی شخصیت منکشف ہو گئی تھی، مرزا صاحب انہی خزعبلات کے ذریعہ مسیحیت و نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور انہی باطل حربوں سے لوگوں سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ اب تک پوری امت نے جو سمجھا ہے کہ حضرت عیسیٰ

عیسیٰ علیہ السلام بنفس نفیس تشریف لائیں گے۔ یہ غلط ہے، بلکہ اس سے مراد "مثیل مسیح" کی آمد ہے۔ اور وہ یہ خاکسار ہے۔

ہفت روزہ دورہ کی تقسیم :۔ مرزا صاحب آگے فرماتے ہیں :

"ان سات ہزار برس کی قرآن شریف، اور دوسری خدا کی کتابوں کی رو سے تقسیم یہ ہے کہ پہلا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا زمانہ ہے، اور دوسرا ہزار شیطان کے تسلّط کا زمانہ ہے۔ اور پھر تیسرا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا، اور چوتھا ہزار شیطان کے تسلّط کا، اور پھر پانچواں ہزار نیکی اور ہدایت پھیلنے کا (یہی وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سید و مولیٰ ختمی پناہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے اور شیطان قید کیا گیا) اور پھر چھٹا ہزار شیطان کے کھلنے کا اور مسلط ہونے کا زمانہ ہے۔ جو قرونِ ثلٰثہ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور چودھویں صدی کے سر پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور پھر ساتواں ہزار خدا اور اس کے مسیح کا اور ہر ایک خیر و برکت اور ایمان اور اصلاح و تقویٰ اور توحید اور خدا پرستی اور ہر ایک نیکی اور ہدایت کا زمانہ ہے۔" (ص۴)

مرزا صاحب کی یہ سات روزہ تقسیم عقل و نقل کے خلاف محض خبط اور خام خیالی پر مبنی ہے۔

اوّلاً :۔ قرآن کریم کی کسی آیت سے یہ مضمون مستنبط نہیں ہوتا۔ اس لئے قرآن کی طرف اس کو منسوب کرنا محض افتراء علی اللہ ہے۔

ثانیاً :۔ دوسری خدا کی کتابوں میں اوّل تو یہ مضمون نہیں۔ بلکہ یہ خدا تعالیٰ پر ڈبل جھوٹ ہے، علاوہ ازیں وہ سب کتابیں ایسی حالت میں ہیں کہ ان سے ایسے بڑے دعوے پر استدلال کرنا عقل و دانش کے خلاف ہے۔

ثالثاً :۔ دوسرے ہزار سال کو مرزا صاحب "شیطان کا زمانہ" بتاتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں بھی انبیاء علیہم السلام آتے رہے۔ مرزا صاحب کی تقسیم کے معنی یہ ہیں کہ معاذ اللہ ایک ہزار سال تک خدا کی بات چلتی رہی، دوسرے ہزار سال میں خدا نے شیطان کو عنانِ حکومت سنبھال دی، اس طرح ہر ہزار سال کے بعد شیطان و رحمان کا تبادلہ ہوتا رہا۔ کیا کوئی عاقل اس کو تسلیم کرے گا۔؟

رابعاً :۔ پانچواں ہزار سال جس میں مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بتاتے ہیں اس کے سات سو چالیس میں تو بقول ان کے تاریکی چھائی رہی۔ کیونکہ آپؐ کی بعثت ۴۷۴۰ میں ہوئی تھی اور پونے تین سو سال کے بعد پھر تاریکی چھا گئی۔ اب غور فرمائیے، جس ہزار سالہ دور کا پون ہزار سال کفر و ضلالت کا گذرا ہو اس کو ہدایت کا زمانہ کہا جائے گا۔؟

خامساً :- قرونِ ثلثہ (تین صدیوں) کے بعد مرزا صاحب کے نزدیک پھر تاریک دور شروع ہوگیا تھا، کیا اس کے معنیٰ وہی نہیں جو مغرب کے ملاحدہ بیان کرتے ہیں کہ اسلام چند سالوں کے بعد ختم ہوگیا تھا۔

سادساً :- مرزا صاحب اپنے دور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ذکر کرتے ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ختم ہوا، چودھویں صدی سے اب مرزا صاحب کا دور شروع ہوتا ہے۔

سابعاً :- مرزا صاحب اپنے دَور کو (جو چودھویں سے شروع ہوتا ہے۔) خیر و برکت ، ایمان و یقین ، صلاح و تقویٰ ، توحید و خدا پرستی اور نیکی و ہدایت کا دور بتلاتے ہیں۔ کیا دنیا کا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ مرزا صاحب کی آمد کے بعد ان چیزوں میں ترقی ہوئی۔؟ مرزا صاحب سے پہلے ایمان و تقویٰ اور صلاح و ہدایت کا جو حال تھا۔ ان کے آنے کے بعد اس میں مزید انحطاط اور تنزل ہوا، یا ترقی ہوئی۔؟ یہ زمانہ بہ نسبت گذشتہ زمانہ کے "خدا کا زمانہ" کیسے ہوگیا۔ کیا ستم ہے کہ جس دور میں ہزاروں اکابر اولیاء اللہ اور مجددین امت پیدا ہوئے اسکو شیطانی زمانہ کہا جائے اور جس زمانہ میں مرزا صاحب کے بقول اسی لاکھ مسلمان عیسائی ہوئے۔ اس کو خدا پرستی کا زمانہ قرار دیا جائے۔

یہ مرزا صاحب کی صرف ایک کتاب کی چند سطروں کا مرقع پیش کیا گیا ہے۔ اسی نمونہ سے اندازہ کیجئے کہ مرزا صاحب کی مسیحیت نے اسلام اور مسلمانوں پر کیا کیا ستم ڈھائے۔؟ تاریخ کو کیسے مسخ کیا، قرآن کریم کو کیسے بگاڑا۔

تکمیلِ سخن کے لئے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ تک کے دور کی تاریخ کا کوئی قطعی ذریعہ دنیا کے پاس نہیں ہے۔ تاہم مؤرخین نے ظن و تخمین کے ذرائع سے (جن میں بائبل کے مندرجات بھی شامل ہیں) یہ مدت قریباً چھ ہزار بتائی ہے۔ اس لئے مرزا غلام احمد کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام ۴۷۰۰ برس بعد مبعوث ہوئے تھے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے مقارن واقع ہوئی ہے۔ اسی بناء پر آپ کا ایک اسم گرامی نبی الساعۃ بھی ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا کہ "میری بعثت اور قیامت کے درمیان بس اتنا فاصلہ ہے" لیکن اسکی ٹھیک مدت علام الغیوب کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اس لئے مرزا غلام احمد کا یہ دعویٰ کہ ان کی بعثت کے بعد ابھی دنیا کی زندگی ٹھیک ایک ہزار سال باقی ہے ،

قرآن و حدیث کی تکذیب کے مترادف ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول بالکل قرب قیامت ہوگا، وہ چالیس سال زمین میں رہ کر انتقال کریں گے۔ مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس میں دفن کیا جائے گا۔ ان کے وصال کے بعد سات سال تک دنیا میں خیر و صلاح کا دور دورہ رہے گا، سات سال بعد ایک ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان کی وفات ہوجائیگی۔ اور صرف اشرار الناس باقی رہ جائیں گے، ان پر قیامت قائم ہوگی۔

یہ علامات قیامت کا مختصر نقشہ ہے، جو صحیح احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، اس سے یہاں مرزا صاحب کا دعویٰ دنیا کی عمر کے بارے میں باطل ہوجاتا ہے۔ وہاں ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہوجاتا ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والا "مسیح" وہی ہے۔

جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ایمان ہے اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "نبی صادق" مانتے ہیں۔ انہیں ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان علامات کو رکھنا چاہیئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔ اور دوسری طرف مرزا صاحب کا سراپا ان علامات سے ملانا چاہیئے۔ اگر علم اور بصیرت اللہ تعالیٰ نے دی ہو تو معلوم ہوجائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک ایک علامت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ کی تکذیب کرتی ہے۔ ہاں جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے تعلق نہ ہو، نہ آپؐ کی کسی بات پر ایمان ہو، ان کو اختیار ہے کہ اپنے لئے جو راستہ چاہیں تجویز کریں۔ ■■

مولانا حافظ سعد الرشید۔ ارشد۔ فاضل دار العلوم حقانیہ
ایم۔ اے اسلامیات عربی آنرز۔ ایم۔ اے عربی

تزکیۂ نفس کی اہمیت
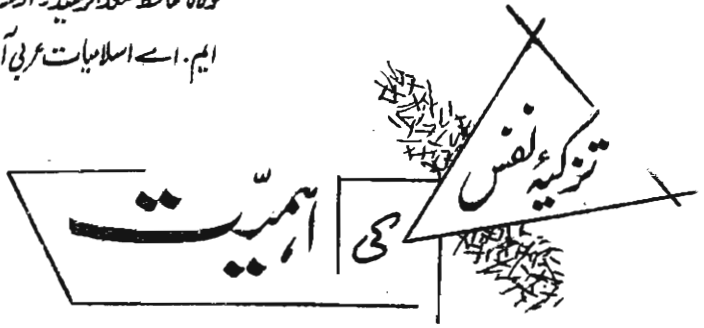
اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ جس میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے نہایت مفصل ہدایات موجود ہیں۔ ان تمام ہدایات کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر ذمہ داری کا احساس اور فرض شناسی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اسی مقصد کے لئے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام عبادات کا اصل نصب العین یہی ہے۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے انسان کو ایسی تربیت مل جائے کہ عملی زندگی میں وہ ہر مرحلے پر بلاچوں وچرا احکام الٰہی کی پابندی کرتا رہے۔ خواہ ایسا کرنے میں اسے اپنا آرام، اپنی خواہشات، اپنا مال و دولت، اپنی اولاد، اپنے عزیز و اقارب، یہاں تک کہ خود اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

درحقیقت انسان کی آزمائش اسی میں ہے کہ وہ رب العالمین کو راضی رکھنے کے لئے نفع و نقصان کے مادی تصورات سے کس قدر بے نیازی اختیار کرتا ہے۔ ایسی طرز عمل اپنانے کا نام "تقویٰ اور تزکیۂ نفس" ہے۔ اور قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ تزکیۂ نفس کو عبادات کا نصب العین قرار دیا ہے۔

تزکیہ کا مفہوم تزکیہ کا مفہوم کسی چیز کو صاف ستھرا بنانا۔ اس کو نشوونما دینا اور اس کو پروان چڑھانا ہے۔ اس لغوی معنی کی رو سے تزکیۂ نفس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر جو غلط افکار و نظریات جڑ پکڑ گئے ہوں، ان کی جڑیں اکھاڑی جائیں۔ جاہلی عادات و اخلاق نے اس کے اندر جو کج رویاں اور ناہمواریاں پیدا کر رکھی ہیں، ان کو درست اور ہموار کیا جائے۔ فانی اور نفسانی لذتوں کی چاٹ نے اس پر جو پست ہمتی اور بزدلی طاری کر رکھی ہے۔ اس کا علاج کیا جائے۔ تاکہ اس کی آنکھیں کھل سکیں۔ اس کا دماغ سوچ سکے۔ اس کی ہمت ابھر سکے اس کی عادتیں سنور سکیں۔ اور وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق اپنی ذہنی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے اس قدر مراتب عالیہ تک پہنچ سکے جن مراتب تک پہنچنے کی اللہ تعالیٰ نے اس کے

اندر قابلیت رکھی ہے ــــــ۔

چونکہ دنیا دار العمل ہے۔ اور ہر انسان کو اس دنیا میں عمل کرنے کی مہلت دی ہی ہے۔ مرتے دم تک اسے یہ موقع حاصل ہوتا ہے کہ وہ نیک و بد راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرکے اپنی زندگی کا نقشہ اس کے مطابق مرتب کرے۔ موت کے وقت تک وہ جس قسم کے اعمال و عقائد میں اپنی زندگی گذارتا ہے۔ ان کے صحیح یا غلط ہونے کے مطابق اسے ابدی کامیابی یا ناکامی سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔ ابدی کامیابی کا دار و مدار تزکیۂ نفس پر ہے۔ اور تزکیۂ نفس کا دار و مدار خشیتِ الٰہی، قیام صلوٰۃ، خوف عاقبت پر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَن تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ـ الآیۃ۔

(فاطر پ۲۲ ع۳)

تزکیۂ نفس کا موقعہ اس دنیا میں نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے اس زندگی میں جو ہر انسان کو صرف ایک بار ملتی ہے۔ تزکیۂ نفس کی اہمیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

نفس کا تزکیہ کرتے وقت یہ بات ذہن نشین کرنی ہے کہ نفس کا ایک طرفہ تزکیہ مقصود نہیں۔ شریعت اسلامیہ نے زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے واضح ہدایات دی ہیں۔ اور زندگی کے کسی بھی گوشے کو ہدایات کی روشنی سے محروم نہیں رکھا۔ اس لئے تزکیۂ نفس کی زد میں انسان کی پوری زندگی آجاتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا مقصد نظام عالم کو اس کے صحیح طریقے پر چلانے سے ہے۔ اور اس کی یہ صحت رفتار محض سائنس کی نت نئی ایجادوں پر منحصر نہیں۔ اگر یہی ہوتا۔ تو آج آزاد ملکوں کے میزانیہ کا اسّی بلکہ نوّے فیصدی صرف دفاع پر خرچ نہ ہوتا۔ اگر دلوں میں تسکین ہوتی۔ تو کوئی ایک دوسرے سے ڈر کر ایٹم بم نہ بناتا۔ بلکہ ہر حکومت اپنی دولت اور اپنے دماغ کو انسان کی تسکین خاطر حاصل کرنے پر خرچ کرتی۔ اسی مقصد کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ کہ انسان کو اطمینان قلب حاصل کرنے کا طریقہ سمجھا دے۔

انسان کے دل میں بھلائی اور برائی دونوں قسم کی خواہشیں ابھرتی ہیں۔ چنانچہ انسانی اعضاء بھلائی اور برائی دونوں صورتوں میں نفسانی خواہشات کو عملی جامہ پہناتی ہیں۔ فرعون کو اس کی دلی خواہشوں نے اس حد تک پہنچا دیا۔ کہ کج فہم نفس کے دھوکے میں آکر خود کو خدا سمجھ بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ـ الآیۃ۔

(النازعات پ۳۰)

یعنی اگر تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سنوار سکتا ہوں۔ اور ایسی راہ بتلا سکتا ہوں، جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف اور اس کی کامل معرفت جم جائے۔ کیونکہ خوف کا کمال معرفت کے بغیر ہونا متصور نہیں۔ مگر بدنصیب فرعون بُری طرح نفس امّارہ کے پھندے میں الجھ چکا تھا۔ اس نے رسول خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الٹا ساحر اور جادوگر بتلا دیا۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا یہی مقصد بتلایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔ الآیہ۔ (البقرہ پ۱ ع۱۵)

۲۔ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ الآیۃ۔ (البقرہ پ۲ ع۱)

۳۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ الآیۃ۔

(آل عمران پ۴ ع۱)

۴۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ الآیۃ۔ (الجمعہ پ۲۸ ع۱)

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے فرائض منصبی بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار شانیں بیان کی گئیں:-

۱۔ تلاوت آیات:- اللہ تبارک وتعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنانا۔

۲۔ تزکیۂ نفوس:- رذیل عادتوں۔ نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک ومعصیت سے ان کو پاک وصاف کرنا۔

دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا۔ ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کیطرف رہبری کرنا اطاعت و اخلاص سکھانا۔ بھلائیاں کرانا۔ برائیوں سے بچانا۔ اطاعت الٰہی کر کے مالک حقیقی کی رضامندی حاصل کرنا۔ نافرمانی سے بچ کر ناراضگی سے محفوظ رہنا۔ یہ چیز آیات اللہ تعالیٰ کے عام مضامین پر عمل کرنے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور قلبی توجہ و تصرف سے باذن اللہ تعالیٰ حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ تعلیم کتاب : کتاب اللہ کی مراد بتلانا۔

۴۔ تعلیم حکمت :۔ حکمت کی گہری باتیں سکھلانا۔ حکمت سے مراد سنت وحدیث یا دین کی سمجھ بوجھ ہے۔ قرآن حکیم کے غامض اسرار و لطائف اور شریعت کی دقیق و عمیق علل پر مطلع کرنا خواہ تصریحاً ہو یا اشارۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی توفیق و اعانت سے علم و عمل کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درماندہ قوم کو فائز کیا۔ جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند روزہ تعلیم اور صحبت کی بدولت ناخواندہ انسانوں نے خود کو برائیوں سے پاک کر دیا۔ ساری دنیا کے لئے ہادی اور معلم بن گئے۔ اور دنیا کے سامنے اعلیٰ ترین نمونہ پیش کر دیا۔ وہ لوگ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے، دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے۔ (تفسیر عثمانی ص۱۲۳)

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

کسی انسان سے گناہ کا سرزد ہو جانا اور بات ہے۔ مگر اس گناہ پر اس کا اصرار کرنا اور نفسانی اصلاح کی فکر سے بالکل بے پرواہ بن جانا نہایت قابل افسوس ہے۔ جس طرح انسان جسمانی امراض میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنی بشریت کے تقاضا سے روحانی امراض میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ مگر کوئی عقل مند اور ذی ہوش انسان جسمانی مرض میں گرفتار رہنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ فوری طور پر اس کے علاج کیطرف توجہ دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح کوئی عاقل شخص روحانی امراض میں ہمیشہ کے لئے مبتلا رہنا گوارا نہیں کرتا۔

تزکیۂ نفس کا طریقہ | اسلامی تعلیمات کی یہ ایک عظیم امتیازی خصوصیت ہے۔ کہ ان میں تزکیۂ نفس کا نہایت فطری طریقہ بتلایا گیا ہے۔

اسلام میں رہبانیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے اصلاح نفس کے لئے معاشرتی زندگی اور دنیاوی کاروبار کے دائرہ کار سے باہر کوئی گوشہ نشینی اختیار کر لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک انسان روزمرہ کے کاروبار میں مشغول رہتے ہوئے بھی اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔

تزکیۂ نفس کا طریقہ حسب ذیل ہے:

۱۔ ایمان محکم :۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کا پختہ یقین اصلاح نفس کے لئے سنگ بنیاد ہے۔ یہ یقین جس قدر پختہ ہوگا۔ انسان اسی قدر کجروی اور گمراہی سے محفوظ ہوگا۔ اسی طرح آخرت کی

ابدی زندگی پر غیر متزلزل اعتقاد انسان کے اندر جواب دہی کا وہ احساس پیدا کر دیتا ہے جو اس کی اصلاح نفس کے لئے درکار ہوتا ہے۔ ان اعتقادات کی کمی یا کمزوری انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور وہ اصلاحِ نفس سے غافل یا قاصر رہتا ہے۔ اس کے برعکس اعتقادات کی پختگی اس کی اصلاح کے لئے نہایت مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔

۲۔ عبادات کا اہتمام :۔ ایمان کی پختگی عبادات پر منحصر ہے۔ اور عبادات کی صحیح ادائیگی سے ایمان میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ بھی حاصل ہوتا ہے۔ عبادات کے بغیر ایمان، تقویٰ اور اصلاحِ نفس کا کوئی تصوّر ممکن نہیں۔

۳۔ قول سدید :۔ تمام اخلاقِ حسنہ عموماً اور راست بازی خصوصاً اصلاحِ نفس کے لئے ضروری ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ الآیۃ (الاحزاب۔ پ۲۲ ع۹)

یعنی مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر درست اور سیدھی بات کہتے ہیں۔ ان کو بہترین اور مقبول اعمال کی توفیق ملتی ہے۔

۴۔ تصحیح نیت :۔ تزکیۂ نفس کے لئے تصحیح نیت نہایت ضروری ہے کہ اپنی نیّت کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خالص کر دیا جائے۔

۵۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر :۔ اصلاحِ نفس کے ساتھ ساتھ دوسرے انسانوں کی ہدایت کا بھی پورا پورا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اور مناسب طریقے سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا رہے کیونکہ مسلم معاشرے میں تمام افراد ایک دوسرے کے خیر خواہ اور مصلح ہوا کرتے ہیں۔

۶۔ صحبتِ صالح کا اہتمام :۔ اصلاح نفس کے خواہش مند لوگوں کو نیک صحبت کا اہتمام کر لینا بھی ضروری ہے۔ انسان کی اصلاح میں تمام حواس کا اثر ہے۔ اور ان حواس پر جس قدر زیادہ نیک اثرات پڑتے رہیں گے۔ اتنا ہی وہ نیکی کیطرف زیادہ مائل ہوتا جائے گا۔

۷۔ محاسبۂ نفس :۔ اپنا جائزہ لیتے رہنا۔ اپنی غلطیوں کا تجزیہ کرتے رہنا اور اپنی خامیوں کوتاہیوں سے آئندہ کے لئے اجتناب کرتے رہنا تمام ترقیوں کے لئے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ترقی مادی میدان میں ہو یا روحانی دنیا میں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنا محاسبہ کرتا

رہے۔ اور کسی وقت اس سے غفلت نہ برتنے ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یک لحظہ را غافل شدم صدسالہ راہم دور شد

یہی وجہ ہے۔ کہ تمام اکابرین اپنے خیالات، اقوال اور اعمال کا باقاعدگی سے تجزیہ کیا کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِیْ طَاعَتِهِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (الحدیث)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :

تم اپنے نفسوں کو تول لو اس سے پہلے کہ تمہیں تولا جائے۔ تم اپنے نفسوں کا محاسبہ کر لو۔ اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے۔

ایسا طرز عمل کل قیامت کے حساب میں تمہارے اوپر آسانی کرے گا۔ اس سے پہلے کہ تم سے تمہاری نفسوں کا حساب لیا جائے۔ بڑی پیشی کے لئے اپنے آپ کو مزین کر لو۔"

حدیث شریف میں ارشاد ہے :

جَاهِدُوْا اَهْوَاءَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَكُمْ۔ (الحدیث)

درحقیقت محاسبۂ نفس ہی کے ذریعے انسان اپنی خامیوں کا علم حاصل کر کے ان کی اصلاح کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى۔ (النازعات۔ پ ۳۰ ع ۲)

یعنی جو شخص اس بات کا خیال کر کے ڈرا کہ مجھے ایک روز اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ اور اسی ڈر سے اپنے نفس کی خواہش پر نہ چلا بلکہ اُسے روک کر اپنے قابو میں رکھا۔ اور احکام الہٰی کے تابع بنایا۔ تو اس کا ٹھکانہ بہشت کے سوا کہیں نہیں۔"

(تفسیر عثمانی ص ۱۰۵)

مزید برآں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاسبۂ نفس کرنے والے شخص کو کامل مومن قرار ٹھہرایا ہے۔ ارشاد نبوی ہے :

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔ (الحدیث)

(باقی آئندہ)

دعواتِ عبدیتِ حق — ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب ادارۃ الحق

حیاتِ طیبہ پر فلم

ناموسِ رسالت

اور

دشمنانِ اسلام کی شرمناک جسارت

(۹ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ اکوڑہ خٹک کے ایک احتجاجی جلسہ میں)

حیاتِ طیبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فلم بنانے کی شرمناک تجربوں نے مسلمانانِ عالم کے دلوں کو چھلنی کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ الحدیث مدظلہ اور مدیر الحق کی لیبیا کے سفیر سے ملاقات کی تفصیل بھی اخبارات میں آچکی ہے۔ ایک عرصہ قبل اٹلی کی اس قسم کی جسارت سے بھی دنیا میں اضطراب کی لہر دوڑ چکی تھی۔ اس موقعہ پر کی گئی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی ایک احتجاجی تقریر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں کہ وہ فلم اور موجودہ فلم یورپ کی اسلام دشمن سازش کی ایک ہی کڑی ہے۔ (ادارہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم — اما بعد — فقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ
يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

تمہید: — معزز حضرات! اس اجتماع کی غرض وغایت آپ کو معلوم ہو چکی ہے۔ اس سے قبل ہم نے اٹلی کے رسوائے عالم فلم ساز کمپنی کے خلاف احتجاج کیا۔ ہماری حکومت نے اعلان کیا کہ اٹلی کی حکومت اس کمپنی پر پابندی لگا رہی ہے اور اپنے شرانگیز اقدام سے باز آگئی ہے۔ ہمیں خوشی ہوئی — مگر صد افسوس کہ اس کمپنی نے دوبارہ اعلان کیا کہ ہم کسی کی خاطر اپنے تجارتی اور اقتصادی مفادات سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ اس جاہل اور بے شرم حکومت کو یا تو مسلمانوں کے احساسات کا صحیح اندازہ نہیں یا وہ اپنی تباہی کا سامان خود کر رہے ہیں۔

شانِ رسالت | حضرات! جسطرح خداوند قدوس کی ربوبیت کاملہ کائنات کے ہر ذرہ میں کارفرما ہے۔

اسی طرح رحمت للعلمین کی شانِ رحمت سے کائنات کے ہر ذرہ ذرہ میں جاری وساری ہے۔ اس امر میں تمام علماء متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نظیر و مثیل نہ اولین میں کبھی پیدا ہوا۔ اور نہ تاقیامت ان کا نظیر و مثیل پیدا ہوگا۔ محبوب اقدسؐ کی عظمت کمالات وشئونات کا صحیح اندازہ تو خداوند تبارک وتعالیٰ کو ہو سکتا ہے۔ اس لئے شیطان کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ بیداری میں یا خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وشکل اختیار کرنا اس کی قدرت سے باہر ہے۔ حالانکہ شیطان مظہر قدرت ہے۔ مگر خدائے قدوس نے اس سے یہ طاقت سلب کردی ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ، مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ۔ (جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا گویا اس نے مجھے ہی دیکھا)

——— اسلام سے قربان جائیے اس نے ابتداہی سے اس قسم کے مفاسد کی جڑ کاٹ دی تھی۔

تصویر سازی کی ممانعت تصویر سازی کو حرام قرار دیا۔ جاندار اشیاء کی تصویر اسلام نے حرام کردی اور غیر ذی روح (جاندار) مثلاً اشجار احجار عمارتوں کا فوٹو جائز کر دیا۔

فوٹو بنانے والے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن فرشتے ڈنڈے لیکر اس سے کہیں گے کہ اب اس میں روح بھی ڈال دے اور جب روح نہیں ڈال سکتا تو اس کو بنایا کیوں۔؟ تصویر میں روح تو ہو نہیں سکتا روح ڈالنے والا تو صرف خداوند تعالیٰ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں فوٹو اور تصویر ہو اس میں رحمت خداوندی کے فرشتے کبھی داخل نہیں ہوتے۔

مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات طیبات کو ترک کردیا اور یورپی اقوام کی تقلید میں اس لعنت میں گرفتار ہوئے یہاں تک کہ تصویر سازی ان کا مزاج بن گیا۔ خود مسلمان بھی فلم بنانے لگے۔ زعماء وشرفا اور مسلمان حکام اور ان کی بیگمات کے فوٹو چھپنے لگے۔ حیاء وعزت کا شعور اور احساس ختم ہونے لگا۔ ثقافت کے نام پر تمام کثافتوں پر اسلامی لیبل لگانے کی کوشش کی گئی۔ علانیہ ملک میں ٹیڈی ازم بھی شروع ہوگیا۔

تعلیمات اسلام کے خلاف ہماری اس بے حسی و بے غیرتی سے غیر اقوام نے فائدہ اٹھانا شروع کردیا۔ اور ہماری ترک تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کو جرأت ہوئی کہ وہ ہمارے آقا اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصاویر بنانے لگے اور ان کی حیات طیبہ پر فلمیں بنانے کا ارادہ کیا۔

مسلمانوں کی غیرت وحمیت کا مسئلہ آج ہماری غیرت اور محبت کا مسئلہ در پیش ہے۔ اگر کسی سینما یا فلم کے پردہ پر ہماری ماؤں بہنوں۔ اور خالاؤں یا خاندان کے دیگر افراد کی نمائش ہو تو کیا ہم

اسے برداشت کر سکیں گے۔ کہ بدمعاش قسم کے لوگ انہیں دیکھ لیں۔ ان کے حسن و زیبائی شکل و شباہت کے بارے میں آراء قائم کریں۔؟ (آوازیں ہرگز نہیں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہمیں ماں باپ بچوں بیویوں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یہ ایمان کے لئے اولین شرط ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ لایومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (حدیث البخاری) یعنی تم میں کوئی اسوقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اس کو ماں باپ بچوں اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مقابلہ ہوا تو ہمارا اولین فرض ہوگا۔ کہ باپ بھائی بیٹے کی محبت کو ترجیح دیں ۔۔۔ علماء فرماتے ہیں کہ جس شخص میں ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ سب مخلوقات کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دے گا۔ اور اس کے مقابل ہر چیز کو ٹھکرا دے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے نے کہا کہ ابا جان جنگ بدر میں تم میری زد میں آئے جبکہ میں کافروں کیطرف سے لڑ رہا تھا۔ مگر تم میرے باپ تھے اس لئے میں نے وار نہ کیا۔ حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ تیرا مقابلہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ اس لئے اگر تم میری زد میں آتے تو میں اپنے ہاتھوں سے تیرا کام تمام کر بیٹھتا۔ اور کوئی رعایت نہ برتتا۔ مسلمان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آج بھی تن، من، دھن، سب کچھ لٹانے کو تیار ہیں۔ تم نے آج دل کی گہرائیوں سے ناموس رسالت کی خاطر جس جوش و خروش اور ولولے کا مظاہرہ کیا۔ الحمدللہ مجھے خوشی ہوئی کہ عزّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ اب بھی زندہ ہے۔

ایمان اور اسلام عبارت ہے ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ کیا مسلمان زندہ ہوگا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا حضرت ام المؤمنین عائشہ حضرت ام کلثوم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن کا فوٹو سینما کے پردہ پر پیش کیا جائے گا۔ ہماری ہزاروں، لاکھوں لڑکیاں، مائیں، بہنیں ان کی عزت و عصمت پر قربان ہوں۔ ناموس رسالت صلعم کی خاطر ہم اپنی سلطنیں قربان کریں گے ہمیں کبھی ایسی سلطنت نہیں چاہئے کہ ہمارا ایمان اور ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ نہ ہو۔ ہم اس کی خاطر حکومتوں کی مصلحتیں بھی قربان کریں گے اور اگر اس کی خاطر ہماری جان و مال قربان ہو سکے۔ تو یہ ہماری سعادت ہوگی۔

عیسائی حکومتیں لادین حکومتیں ہیں انہیں مذہب سے کوئی سروکار نہیں وہ نہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانتے ہیں نہ حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو اور نہ خدا کی ذات پر انہیں ایمان ہے ورنہ وہ نہ ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصاویر بناتے اور نہ ان کی

زندگیاں فلماتے اور نہ مسلمانوں کی دل آزاری کرتے۔ ان کا مقصد زندگی بے حیائی فحاشی اور دولت بنانا ہے۔ اگر خدا کو مانتے تو اس قسم کی گستاخیاں کبھی بھی نہ کرتے۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے خاندان سے مذاق کرنا خداوند تعالیٰ کے عذاب اور جہنم کی آگ کو دعوت دینا ہے۔ مگر مسلمان قوم ان کیطرح بے ضمیر اور بے حس نہیں کہ وہ خاموشی سے یہ تماشا دیکھ سکیں ــــ امریکہ اور اٹلی کی حکومت نے بھی اگر یہ حرکت کی تو خدا کے قہر کو دعوت دیگی۔ چیونٹی کی تباہی آنے لگتی ہے تو خدا اسے پر دے دیتا ہے۔ ہر دہ بد دین جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارادہ کرے گا۔ خدا اسے ذلیل و تباہ کر دے گا۔

مسلمانوں کا امتحان و آزمائش ہاں صرف مسلمانوں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنی کروڑ روحانی اولاد اور نام لیواؤں کا امتحان ہے کہ ہمارا دعوئ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم زبانی دعویٰ تو نہیں۔ ہمارے روحانی جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا بیٹا خدا کے نام پہ قربان کیا جس کی سنّت ہم آج کل ادا کر رہے ہیں تو ہم اپنے دادا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی جانیں قربان نہ کر سکیں گے۔؟ آج ہم خداوند قدوس سے یہ عہد کرتے ہیں کہ جس ظالم نے بھی ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارادہ کیا خواہ ملک کے اندر ہو یا باہر ہو ہم ایک ایک بچہ اور ایک ایک جان ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان کریں گے ــــ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ ــ یہ کافر چاہتے ہیں کہ خدا کا نور پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مگر اس چراغ کی روشنی تو چاند اور سورج سے بھی تاباں اور روشن ہے۔ یہ کبھی نہ بجھ سکے گا۔ اور اور دھول ڈالنے والے اپنے چہروں کو سیاہ کریں گے۔ آپ کی ذات گرامی تو سورج سے بھی کروڑہا درجہ بلند و ارفع ہے۔ سورج صرف دنیا کے اوپر ہے۔ مگر آپ جسمانی لحاظ سے بھی جسد اطہر کے ساتھ عرش معلی کے اوپر تشریف لے گئے ہیں۔ عرش کی وسعت کے سامنے ساتوں آسمان و زمین ایسے ہیں جیسے اس وسیع صحراء میں چند کنکریاں ڈال دی جائیں جس کی آپس میں نسبت بھی نہیں۔ حضور اقدس کو جسمانی رفعت میں بھی تمام کائنات پر فضیلت دی گئی۔ جس ذات اقدس کی جسمانی پرواز اتنی بلند ہو تو روحانی پرواز کا کیا عالم ہو گا۔؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک بدمعاش ملحد، بے دین، شرابی کھڑا ہو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کی ایکٹنگ کرے۔ ایک فاحشہ بے حیا عورت صوفیہ لورین یا ثریا ہماری ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل اتارے، کبھی نہیں۔

کسی قلاب، دلی اور غوث کو یہ حق نہیں کہ آپ کی نقل اتارے۔ کیا کوئی اخبث الناس یہ حرکت کر سکے گا۔؟ صحابہؓ تابعین اور امت کے پاس حضورؐ کی صورت اور شبیہ کی ایک ایک بات محفوظ تھی، شمائل مستقل علم بنا مگر کسی نے بھی کبھی آپ کی تصویر بنانے کی کوشش نہ کی۔

یورپی اقوام کے مخفی عزائم | تمہیں کیا معلوم کہ ان خبیث اقوام کے سینوں میں ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیا کیا عزائم چھپے ہیں۔ بظاہر تجارتی اور اقتصادی منافع کا بہانہ سے کر اٹھتے ہیں۔ مگر در پردہ مسلمانوں کے دلوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدس اور عظمت اور اہل بیت کی حرمت مٹانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب تک یہ تقدس زائل نہ ہو مسلمان اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کٹ سکیں گے۔

ان کی تاریخ شاہد ہے سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کے بعد ان کے زخم مندمل نہیں ہوئے اور ہر دور میں انہوں نے شان رسالت کی بے حرمتی کی کوشش کی ورنہ انہیں اسلام کے غم میں نڈھال نہیں کیا کہ آپؐ کی زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ کیا انہیں اسلام کے غم میں نیند نہیں آتی؟

نور الدین زنگیؒ کا واقعہ | سلطان نور الدین زنگیؒ کے زمانہ کا تاریخی واقعہ ہے۔ کہ آپ نے خواب میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا فرمایا کہ "تم حکومت کے کام میں لگے ہو اور تمہیں خبر نہیں کہ میرے پیچھے دو کتے لگے ہوئے ہیں۔" جسطرح آج اٹلی کے یہ کتے آپ کے پیچھے لگے ہیں سلطان نے متواتر دو تین رات یہ خواب دیکھا۔ حیران تھے۔ علماء کو جمع کیا اور ان کے سامنے خواب بیان کیا۔ وہ بھی حیران ہوئے سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو کتوں کی صورت بھی سلطان کو بتلا دی تھی۔ سلطانؒ فوج لیکر مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ مدینہ سے باہر پڑاؤ ڈالا۔ اب احترام مدینہ کیوجہ سے تلاشی بھی نہیں لے سکتا تھا اور کسی پر ہاتھ بھی نہیں ڈال سکتا تھا۔ مدبر بادشاہ تھا عقل سے کام لیکر یہ بات سوجھی کہ مدینہ میں انعام واکرام تقسیم کرنے کا اعلان کیا جائے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ کے دروازے پہ کھڑا ہو کر اعلان کیا کہ سوائے عورتوں کے ہر بوڑھا، جوان، بچہ خود آکر میرے ہاتھوں سے انعام واکرام وصول کرے۔

ایک بڑی حکومت کا بادشاہ تھا۔ ہر شخص فخر سمجھتا تھا کہ ان کے ہاتھوں سے کچھ وصول کرے۔ سب چھوٹے بڑے نکلے اور انعام وصول کرتے رہے۔ بادشاہ اس بہانہ سے ہر شخص کی شکل کو بغور دیکھتا رہا۔ مگر ان دو آدمیوں کی صورت نظر نہ آئی۔ حیران تھا، پوچھا کوئی نہ کوئی شخص مدینہ میں باقی ہے۔ جو انعام لینے نہیں آیا۔ لوگوں نے کہا کہ دو درویش صفت بزرگ ہیں جن کا بادشاہوں کے انعام واکرام

سے کوئی غرض نہیں وہ اپنے خانقاہ سے باہر نہیں نکلتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا چلو ہم خود جاکر انہیں انعام دیتے ہیں۔ نیک آدمیوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔

چنانچہ بادشاہ اُن کے خانقاہ میں تشریف لے گئے اوّل نظر میں پہچان لیا کہ وہ خبیث کتنے یہ ہیں جن کی صورت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بتلا دی تھی۔ مگر اسلام عدل و انصاف کا مذہب ہے۔ بغیر قانون کے ان پہ ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ جب تک کہ جرم ثابت نہ ہو۔ سپاہیوں کو حکم دیا کہ تمام مکان کی تلاشی لے لو سب کمروں میں سوائے لنگر کی دال چاول کے اور کچھ نہ نکلا۔ اور نہ کوئی قابلِ اعتراض چیز نظر آئی۔ بظاہر انہوں نے عابدین کی صورت اختیار کی تھی لمبے لمبے چوغے اور عمامے پہنے ہوئے تھے۔ اچانک بادشاہ کی نظر ایک مقفل کمرے پر پڑی پوچھا اس میں کیا ہے۔؟ اس سوال پر ان کا رنگ زرد ہوا اور کہنے لگے کہ فالتو سامان کا کمرہ ہے کوئی کام کی چیز اس میں نہیں بادشاہ نے فرمایا دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ جب دروازہ کھلوایا تو حیران و ششدر رہ گئے۔ ان بدبختوں نے کمرے کے اندر ایک لمبی سرنگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس تک نکالی تھی دن میں کھدائی کرتے اور رات کے اندھیرے میں مٹی کہیں باہر پھینکتے مقصد یہ تھا کہ روضۂ اقدس سے آپ کا جسدِ اطہر نکال کر لے جائیں۔ بادشاہ سرنگ کے اندر داخل ہوئے سرنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ظاہر ہو گئے تھے۔ خوش قسمت نور الدین زنگیؒ نے قدم مبارک کو بوسہ دیا آنکھوں پہ رکھا اور پھر قبر مبارک بند کر دی۔ باہر نکلے دونوں خبیثوں کو پکڑ لیا۔ اب ان کی سزا کا مسئلہ سامنے آیا۔

توہین رسول کی سزا تاریخ میں اپنی قسم کا انوکھا جرم تھا اس لئے شرعی سزا کی تلاش شروع ہوئی۔ اسلام کا عدل متقاضی تھا کہ مسئلہ طلب کیا جائے اور قانون کے اندر سزا دی جائے فتویٰ طلب کیا گیا۔ علماء متفکر ہوئے قرآن اور حدیث میں اس جرم کی سزا تلاش کرنے لگے۔ اتنے میں ایک نوجوان حافظ اٹھ کر فرمایا ایسے صاف مسئلہ میں تردد کیوں کرتے ہو۔ اس کے لئے تو قرآن میں یہ صاف اور صریح حکم موجود ہے:

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ	خبردار تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا۔ اور پیغمبر کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے چھیڑ شروع کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو۔ اللہ زیادہ

مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ حقدار ہے کہ تم ان سے ڈرو۔ اگر تم ایماندار ہو۔ ان سے لڑو تاکہ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور ان کو ذلیل کر دے اور تمہیں ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر دے۔

سلطان نور الدین بہت خوش ہوئے ان کتوں کی گردن کاٹ دی اور روضۂ اقدس کے اردگرد زمین میں پانی تک فولادی جنگلے لگوائے اور اس طرح خداوند تعالیٰ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ان یہودیوں کی خوفناک سازش سے بچا لیا۔ یورپ والوں کی امداد ان کے پیچھے تھی دولت بھیجتے تھے۔ اور آج بھی اس قوم کا یہی حال ہے یورپ اور امریکہ اور فرانس عالم اسلام اور پاکستان کی دوستی اور امداد کی آڑ میں ہمارے خلاف کیا کچھ نہیں کرتے۔؟

امریکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فوٹو چھپوائے جاتے ہیں۔ مخش مضامین نکلتے ہیں کیا یہ دوستی ہے۔؟ اس پلید قوم کو نہ سکھوں سے دشمنی ہے نہ ہندوؤں سے عیسائی دنیا کو خطرہ ہے تو صرف مسلمانوں سے ہے وہ لوگ خوب واقف ہیں کہ اگر یہ پراگندہ حال مسلمان بیدار ہو جائیں تو ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن کو تہس نہس کر دیں گے۔ جب تک مسلمان ان کے بوٹ پالش کرتے رہے ان کے بت اور مجسمے صاف کرتے رہے تو شاباش کہتے تھے۔ مگر جب مسلمان اپنے قدم پر کھڑے ہوتے اور ملک آزاد ہوا تو برطانیہ میں مسلمان اپنے قدم پر کھڑے ہوئے اور ملک آزاد ہوا تو برطانیہ میں مسلمانوں کا کیا حشر بنا ہے۔؟

ہوائی اڈوں پر اُن کے قلی ہمیں حرامی سے پکارتے ہیں۔

اٹلی میں خود اتنی بہادری نہیں مسولینی میں کچھ طاقت ہوتی تو اپنے ملک کو بچاتا جنگ عظیم میں ذلیل نہ ہوتا شکست نہ کھاتا۔ مگر اب مسلمان اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ گئے ہیں۔ اس لئے مذاق اور کھلونا بن چکے ہیں۔

فلم بینی کی لعنت | اگر مسلمان دھڑا دھڑ فلمیں نہ دیکھتے اور اپنی کمائی برباد نہ کرتے تو یورپی اقوام ہماری اس کمزوری سے فائدہ نہ اٹھاتے ـــــ تم آج ہی وعدہ کر لو کہ آئندہ کسی قسم کی فلم نہ دیکھیں گے تو تمام فلم خود بخود کم از کم ہمارے ملک میں ناکام ہو جائیں گی۔ یہ فلمیں ہی تمام شر و فساد کی جڑیں ہیں۔ ان ہی کی شامت سے ملک تباہ ہو رہا ہے۔ کیا تم یہ قربانی کر سکتے ہو کہ اس بقرعید کے موقع پر کسی قسم کی فلم نہ دیکھو گے (آوازیں ہم سب وعدہ

کرتے ہیں اور خدا کو گواہ بناتے ہیں۔)

ہماری حکومت کا کام | ہماری حکومت خدا کے فضل و کرم سے آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑی اسلامی حکومت ہے۔ ترکی مصر و ایران وغیرہ سے ہر لحاظ سے زیادہ ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ صرف اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ہے۔ دوسرے ممالک قومیت وغیرہ کے نعروں پر آزاد ہوئے ہیں اس لئے ناموسِ رسالت کے لئے قربانی کا فریضہ بھی سب سے بڑھ کر ہمارے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ حکومت نے صرف اس اعلان پر اکتفاء کیا ہے۔ کہ "اگر اٹلی نے فلم بنائی تو ہم اس کے تمام فلموں سے بائیکاٹ کر دیں گے۔" صرف یہی احتجاج بہت کمزور ہے اور اس سے میرے دل کو دکھ پہنچا ہے۔ حکومت کو صاف اعلان کر دینا چاہیئے تھا۔ کہ اگر اٹلی کی رسوائے عالم کمپنی ایسی حرکت سے تائب نہ ہوئی تو ۱۔ اٹلی سے ہر قسم سفارتی تعلقات توڑ دیئے جائیں گے۔ ۲۔ ہر قسم اقتصادی تجارتی تعلقات ختم کر دیئے جائیں گے دوکاندار اٹلی کا مال جلا دیں گے اور خرید و فروخت سے انکار کر دیں گے۔ ۳۔ اٹلی پر پاکستان کے برّی بحری راستے بند کر دیئے جائیں گے ان کا ہوائی جہاز ہماری حکومت میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ بحری جہاز ہمارے سمندروں اور بندرگاہوں میں اتر سکیں گے۔ ۴۔ اور ملک کے اندر کسی اٹلی کے باشندے کی زندگی محفوظ رہے گی۔ ۵۔ اور اگر کسی مسلم یا غیر مسلم حکومت نے اس کمپنی کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کیا تو اس کے ساتھ بھی مذکورہ بالا برتاؤ کیا جائے گا۔ ۶۔ اس سلسلہ میں مصر و ایران کے تعاون کا جو ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس کے بارے میں مذکورہ حکومتوں سے باز پرس کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی پوزیشن دنیا کے سامنے واضح کر دیں اور مسلمان دنیا تک ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ اگر اٹلی کی حکومت اس شرمناک ارادے سے باز نہ آئی تو مسلمان خود جا کر جہاد کریں گے یہاں تک کہ ع

یا تن رسد بجاناں یا جان ز تن برآید ـــــ اگر پاکستان جیسی عظیم اسلامی حکومت اس سعادت کو حاصل نہ کر سکی تو یہ پراگندہ حال مسلمان اپنا مال و جان ناموسِ رسالت کی خاطر لٹا دیں گے۔ (رونے اور چیخ و پکار کی آوازیں) کیا حکومتیں سیاست اور دنیا کی خاطر غیرت کر سکتی ہیں اور اسلام کی خاطر نہ کر سکیں گی؟ یہ سب کام ہم خود کر سکتے ہیں مگر مسلمان ایک منظم قوم ہے اپنے امیر کی قیادت میں کام ہو سکے تو انفرادی ضرورت نہیں ـــــ وقت کا اہم فریضہ ناموسِ رسول اور منصبِ رسالت ؐ کی حفاظت ہے۔ اسلام کے نام پر منتخب ہوئے برسرِ اقتدار ممبران اسمبلی کا اوّلین فریضہ ہے کہ ملک کے اندر و باہر ناموسِ رسول کے خلاف سازشوں کا استیصال کریں اور اس سلسلہ میں حکومت کو ٹھوس قدم اٹھانے پر مجبور کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

تبصرۂ کتب

ایڈیٹر

فارسی پاکستانی و مطالب پاکستان شناسی (فارسی ۔ جلد یکم) | تحریر: آقائے محمد حسین تسبیحی ۔ ناشر: ادارۂ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۴۲ ۱۸۱ راشد منہاس روڈ

راولپنڈی ۔ پاکستان ۔ قیمت ۴۰ روپے ۔ صفحات ۵۱۹ ۔

فارسی زبان میں پاکستان کے علمی اور ثقافتی اداروں مراکز، کتب خانوں، اور اہم شہروں کے بارہ میں مؤلف کتاب کے چشم دید حالات اور تاثرات کا یہ مجموعہ ایران کو پاکستان سے متعارف کرانے کی ایک بہترین اور قابلِ قدر کوشش ہے۔ مؤلف کتاب محترم جناب محمد حسین تسبیحی صاحب پاکستان اور ایران کے مشترکہ تعاون سے کتب خانہ گنج بخش اور ادارۂ تحقیقات فارسی راولپنڈی میں شب و روز وقیع علمی و دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علمی تحقیق مطالعہ اور تجسس کے ذوق سے نوازا ہے۔ قلمی نوادرات اور نایاب قلمی نسخوں کا جمع کرنا تو گویا ان کا عشق بن چکا ہے۔ مؤلف کتاب جناب تسبیحی صاحب اور ادارہ کے فاضل ڈائریکٹر جناب آقائی دکتور علی اکبر جعفری کی جد و جہد سے اب تک کئی ہزار نادر بیش قیمت قلمی نسخوں کا ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ جناب تسبیحی صاحب تحقیق اور مطالعہ کے سلسلہ میں جہاں جہاں گئے یا جن علمی اشخاص اور اداروں کا مشاہدہ کیا اپنی معلومات کی حد تک اسے قلمبند کر کے ایرانی اخبارات اور مجلات میں شائع کراتے رہے ایسے میں ایک سو ۱۱۴ موجودہ عنوانات کے تحت انہوں نے اپنے مضامین کا مجموعہ اس قابلِ قدر کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ کئی انڈکس بھی دئے ہیں۔ اہم مقامات کی تصاویر بھی شاملِ کتاب ہیں۔ جناب تسبیحی صاحب کی علمی اور ثقافتی خدمات قابلِ قدر ہیں اور ان کا علمی ذوق و شوق اور انہماک پاکستانی حضرات کے لئے نمونہ بننا چاہیے۔

معارف الحقائق (عربی) | مؤلف: مولانا میاں حکمت شاہ صاحب کاکاخیل (فاضل دیوبند) زیارت کاکا صاحب ضلع پشاور ۔ پتہ ۔ مؤلف کتاب ۔ صفحات ۴۳۵ ۔ قیمت روایتی سات روپے

اس کتاب کو دراصل مؤلف کا حاصل مطالعہ یا علمی شذرات کہنا چاہیئے جسے انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق ادب، تاریخ، سیرت وغیرہ کی جلیل القدر کتابوں سے منتخب کیا۔ مثلاً ابن بطوطہ کے سفرنامہ

سے دلچسپ واقعات، دیگر علمی معلومات، عبرت آمیز واقعات، عربی انشاء پردازی پر مضامین واعظانہ لطائف اور معلومات۔ مؤلف نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ اور دیگر اساتذہ کے حالات بھی شامل کئے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کے مختصر تذکرہ کے ضمن میں مولانا مدنی مرحوم کے بارہ میں ایک خواب مؤلف نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے جو بلاشبہ دارالعلوم کے لئے بشارت اور سعادت کی بات ہے۔

وقبل بناء عمارتها الجديدة رأى المؤلف في المنام شيخ الاسلام المدني رحمه الله وهو مشتغل في عمارتها۔ (دارالعلوم کی نئی عمارت کی تعمیر کے دوران مؤلف نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مدنیؒ اس کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔) ایسے منتخب مجموعے مؤلفین کی استعداد اور اپنے ذوق کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ پھر بھی شائقین کو بہت سی کار آمد باتیں یکجا مل جاتی ہیں۔ جس کے ضخیم مآخذ تک رسائی آسان نہیں ہوتی۔ امید ہے علمی شائقین اور طلبہ علوم عربیہ کے لئے اس مجموعہ کا مطالعہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

اقبالؒ اور قادیانی | تالیف: جناب نعیم آسی۔ صفحات ۱۸۸۔ قیمت مجلد بارہ روپیہ۔ ناشر: مسلم اکادمی، سیالکوٹ۔

حکیم مشرق علامہ اقبالؒ کا سینہ حق تعالیٰ نے قادیانی فتنہ کے بارہ میں کھول دیا تھا۔ انہوں نے قادیانی "حکمتِ عملی" کا گہرا مطالعہ کیا اور پھر اپنے ضرباتِ کلیمی سے قادیانی دجل وتلبیس کے تار پود بکھیر رکھ دیئے۔ ان کے دقیع محققانہ مقالات اور مضامین سے بہت روشن خیالوں کی آنکھیں بھی کھل گئیں جناب آسی صاحب نے علامہ مرحوم کے ایسے تمام مضامین مکاتیب اور توضیحات کو اس کتاب میں اپنی تشریح اور تنقیح کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ خود مؤلف کے قلم سے قادیانیت کے تاریخی اور سیاسی پس منظر پر نہایت معلوماتی، تمہیدی مقالہ بھی نہایت وزن دار ہے۔ تحریر نہایت شگفتہ اور تحقیقی ہے۔ کتاب میں مرزا قادیانی اور اس کے خاندان سے انگریز حکام کے تعلقات نیز اسرائیل سے روابط پر مستند تحریری وثائق بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مؤلف کتاب کی یہ نہایت وقیع اور گرانقدر خدمت ہر لحاظ سے تحسین کے قابل ہے۔ توضیحات کے ضمن میں مولانا مدنیؒ کے نام نظریۂ وطنیت اور انکار ختمیت کے موازنہ کے بارہ میں اقبال مرحوم کی تحریر بلا ضرورت دی گئی ہے جبکہ یہ بحث بقول مؤلف کتاب خود علامہ اقبالؒ کی ایک غلط فہمی پر مبنی تھی۔ اور حقیقت واضح ہونے پر انہوں نے خود اس سلسلۂ بحث کو ختم کر دیا تھا۔ مولانا مدنیؒ اور علامہ مرحوم کے درمیان غلط فہمی پر مبنی ایسے ابحاث و آراء کو اچھالنا مداحینِ اقبالؒ کی طرف سے روح اقبال کو تکلیف پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اقبالؒ مرحوم کا نظریۂ وطنیت اور

خاتمیت کے بارہ میں موازنہ درست سہی مگر حاشیہ میں یہ وضاحت ضروری تھی کہ مولانا مدنیؒ مرحوم کا اقبالؒ مرحوم کے بزعم خویش نظریۂ وطنیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور یہ تنقید غلط فہمی یعنی بناء فاسد علی الفاسد کے سوا اور کچھ نہ تھی ـــــ ضرورت ہے کہ اصل کتاب کو دنیا کی مشہور زبانوں میں منتقل کیا جائے۔ قادیانیت کے تعاقب میں اسکی اشاعت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

نقش حیات مکمل | تالیف: شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ مرحوم۔ صفحات ۷۰۴ ـــ قیمت مجلد ۲۴ روپیہ۔ ناشر: فرزند توحید آصف کالونی کراچی۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ رشیدیہ ساہیوال۔

شیخ الاسلام مرحوم کی یہ بلند پایہ خود نوشت سوانح حیات ان کے اپنے احوال و سوانح کے علاوہ ان کے شیخ اور استاد حضرت شیخ الہندؒ کی جامع صفات شخصیت اور ان کی ہمہ گیر اور عالم گیر تحریک آزادی کی داستان ہے۔ یہ کتاب تحریک استخلاص وطن کی تاریخ کے علاوہ برطانوی سامراج کا عالم اسلام پر مسلسل یورش ان کے عیارانہ پالیسیوں اور پُر فریب مکاریوں کی باریک سے باریک تفصیلات کی مستند کہانی بھی ہے۔ اور بیسویں صدی میں اسلامی سیاسیات اس کے تقاضوں، ردعمل اور پس منظر پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ تحریک شیخ الہند کے بہت سے ایسے حقائق جو برطانوی عہد غلامی میں سفر نامہ اسیر مالٹا وغیرہ میں مصلحۃً ظاہر نہیں کئے جا سکتے تھے۔ اس خود نوشت کتاب میں منظر عام پر آگئے۔ کتاب پہلے دیوبند میں چھپی تھی۔ یہاں نایاب تھی۔ معلوم نہیں پیش نظر ایڈیشن اولین ناشر کتاب کی اجازت سے شائع کی گئی ہے۔ یا بلغیر اجازت کے۔ پاکستانی ناشرین کو ہندوستانی مطبوعات کے سلسلہ میں اخلاقی اور شرعی عائد شدہ پابندیوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اور حقوق العباد کو علم اور ثقافت کی اشاعت کی آڑ میں پامال نہیں کرنا چاہئے۔ نقش حیات کا مطالعہ برصغیر کی تاریخ سے دلچسپی لینے والے تمام لوگوں کے لئے عموماً اور علمی و دینی حلقوں مدارس عربیہ کے اساتذہ اور طلبہ کے لئے خاص طور پر ضروری ہے۔ صاحب سوانح کی علمی تدریسی اور روحانی زندگی اور علمائے دیوبند کے بارہ میں اٹھائے گئے علمی فتنوں کے محرکات سیاست سے دلچسپی نہ رکھنے والے اہل علم اور طلبہ کے لئے بھی کارآمد چیزیں ہیں۔

مذہب اور سائنس | مولانا عبدالباری ندوی۔ ناشر: مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ ۲۲۔اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ صفحات ۲۳۸۔ قیمت مجلد ۱۵ روپیہ ـــ سائنس علم جدید کے چیلنج کا سامنا اسلام نے کس طرح کیا۔؟ اور کیا کسی سچے مذہب اور صحیح سائنسی نظریہ میں تصادم ممکن ہے۔؟ یہ عصر حاضر کا ایک دلچسپ موضوع ہے۔ اور جب قلم اٹھایا ہے عالم اسلام کے ایک محقق فاضل مسلمان فلسفی مولانا عبدالباری ندوی نے تو کتاب کی اہمیت اور افادیت مسلمات میں سے کیوں نہ ہوگی۔ مولانا نے قدیم یونانی فلسفہ سے لے کر اب تک کے علماء اور حکماء کی اصل تصانیف اور مقالات پر متعلقہ موضوع کے بارہ میں گہری نظر رکھتے ہوئے زمان و مکان، نظریہ اضافیت، جبر و قدر وغیرہ پر نہایت محققانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

دار العلوم حقانیہ ——— اور آپ کا دینی فریضہ

دار العلوم حقانیہ اسلامی تعلیم و تربیت کی پاکستان میں بین العلاقائی درسگاہ ہے۔ جو مادیت اور الحاد مغربی تہذیب اور دینی و اخلاقی فتنوں کے اس طوفانی دور میں اسلامی دماغ و فکر کی بلندی پر عرصہ ۲۷ سال سے مذہبی علوم و فنون کا پرچم لہرا رہی ہے۔ اس مختصر عرصہ میں اس کے علمی انوار و برکات سے ملک کا گوشہ گوشہ منور ہوا جو محض حق تعالیٰ کا فضل اور معاونین واراکین کی مخلصانہ توجہات اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اور آج بفضلہ تعالیٰ (تحدیثاً بالنعمۃ) اس مدرسہ کو پاکستان کے مثالی دار العلوم ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس سے بعض شعبوں کا اجمالی تعارف پیش ہے۔

۱۔ شعبہ تعلیم القرآن :—— (مڈل) جو عرصہ ۲۸ سال سے مسلمان بچوں کو عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید عربی اور دینی ضروریات کی تعلیم دے رہا ہے۔ اس شعبہ میں ۵۵۰ بچے ۱۲ اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم پا رہے ہیں آئندہ اسے ہائی تک بڑھایا جا رہا ہے۔ ۲۔ شعبہ دار العلوم :— اس شعبہ میں پاکستان اور ریاست ہائے ملحقہ، آزاد قبائل، افغانستان تک کے تقریباً چھ سو طلبہ جید ممتاز علماء سے اسلامی علوم و فنون حاصل کر رہے ہیں۔ ۳۔ شعبہ افتاء اس کا کام ملک بھر سے آئے ہوئے اہم دینی مسائل کے جوابات دینا ہے۔ اب تک تقریباً پندرہ ہزار فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں۔ ۴۔ شعبہ تبلیغ واشاعت :- (الف) وعظ و تبلیغ — (ب) وقتاً فوقتاً ایک عظیم تبلیغی جلسہ کا انعقاد۔ (ج) مختلف رسائل، پمفلٹ اور ماہوار مجلہ الحق کی اشاعت ۵۔ شعبہ حفظ القرآن والقرأۃ۔ ۶۔ شعبہ اردو۔ ۷۔ شعبۂ خط وکتابت۔ ۸۔ امتحانات وانتظامات۔ ۹۔ تعمیرات۔ ۱۰۔ کتب خانہ۔ ۱۱۔ مطبخ وغیرہ کے مختلف شعبے مصروفِ کار ہیں۔ سالِ رواں کے لازمی اخراجات کا میزانیہ ساڑھے تین لاکھ سے متجاوز ہے۔ جبکہ آمدنی کے لحاظ سے اس میں خسارہ ہے۔

تعمیرات کی فوری ضرورت :—— دار العلوم کو فوری طور سے کئی دار الاقاموں (ہاسٹلز) دار التصنیف، دار الافتاء، کتب خانہ، وغیرہ کی تعمیر کی شدید ضرورتیں درپیش ہیں جنہیں توکلاً شروع کیا گیا ہے۔ مگر ان پر کم از کم پندرہ لاکھ روپے لاگت کا تخمینہ ہے۔ دردمند اہلِ خیر مسلمانوں سے پرزور استدعا ہے کہ اس ماہ رجب ورمضان میں اس نشر گاہ علوم کی ضروریات کیطرف خصوصی توجہ فرمائیں۔ اور اپنی پاک کمائی سے زکوٰۃ صدقات خیرات وعطیات کا ایک حصہ بذریعہ ڈاک بھیج کر اس نشر گاہ علوم قرآن وسنت کے عظیم تعلیمی و تعمیری سالانہ بجٹ کو پورا فرما دیں جو خسارے سے چل رہا ہے۔ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ۔

ترسیل زر کا پتہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔ پاکستان

منجانب :- اراکین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔ پاکستان

مکتبئہ الحق کے مطبوعات